مقالہ برائے ایم۔اے علوم اسلامیہ تخصص فقہ (اسلامک لاء)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فقہی واجتہادی بصیرت

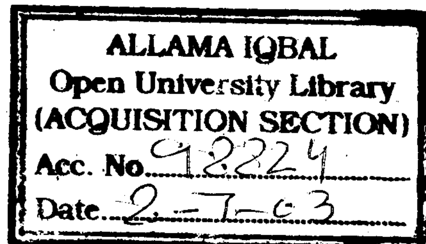
مقالہ نگار:
محمد رمضان
رول نمبر: I-5803884
مکان نمبر P-1003
گلی نمبر 5، بازار نمبر 1
محلہ رضا آباد، فیصل آباد

نگران:
پروفیسر محمد حامد رضا
گورنمنٹ ملت کالج، فیصل آباد



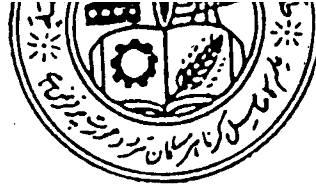
شعبہ فقہ اسلامی
کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
سیشن، 2002ء

F. No. M.A/Thesis/Fiqh/2002/86



بسم اللہ الرحمن الرحیم

FAISALABAD.
Phone : 354773



Date ....

Subject: FORWARDING OF THESIS FOR M.A. ISLAMIC STUDIES:

The thesis entitled

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فقہی واجتہادی بصیرت

submitted by Muhammad Ramzan in partial fulfillment of M.A. Degree in Islamic Studies has been completed under my guidance and supervision. I am satisfied with the quality of student's research work and recommend award of M.A. degree on this thesis.

MUHAMMAD HAMID RAZA,
LECTURER IN ISLAMIC STUDIES,
GOVT. MILLAT DEGREE COLLEGE,
GHULAM MUHAMMAD ABAD,
FAISALABAD.
Phone Office:041-980773
Res:041-641393

Declaration

I Muhammad Ramzan S/O Muhammad Iqbal Roll No. I-5803884 Registration No.99-PLR-4315 a student of M.A. At the Allama Iqbal Open University do hereby solemanly declare that the thesis entitled

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فقہی واجتہادی بصیرت

Submitted by me in partial fulfilment of M.A. Degree in Islamic Studies is my original work and has not been submitted or published earlier and shall not in future by submitted by me for obtaining any degree from this or another university or institution.

Signature________

Muhammad Ramzan
Roll No.I-5803884

Title of thesis: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فقہی واجتہادی بصیرت

Name of Student: Muhammad Ramzan

Accepted by the faculty of Arabic and Islamic studies, Allama Iqbal Open University in partial fulfilment of the requirements for the M.A. Degree in Islamic Studies.

Viva Voce Committee:

Dean

Chairman/Director

External Examiner

Internal Examiner/Supervisor

Date:____________

شفیق و مہربان والدین

اور

گوشہ جگر

عبداللہ و عبدالرحمٰن

کے نام

انتساب




مقدّمہ




بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ:

موضوع تحقیق کا پس منظر واہمیت:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

امابعد اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے انسان بنایا اور اس سے بڑھ کر خاتم الانبیاء سیدنا محمد ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا۔ اسلام، جو ہمارا دین ہے محض چند اصول ونظریات اور علوم وافکار کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ ایک مکمل نظام حیات ہے۔ وہ زندگی کے ہر شعبے میں عملی راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ شریعت محمد ﷺ کی علمی اور عملی دونوں پہلوؤں سے حفاظت کی جائے اور قیامت تک ایک ایسی جماعت کا سلسلہ قائم رہے جو شریعت مطہرہ کے علم وعمل کی حفاظت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے دین محمدی ﷺ کی علمی اور عملی دونوں طرح حفاظت فرمائی۔

حفاظت کے ذرائع میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت سرفہرست ہے ان حضرات نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے دین کو سمجھا، دین پر عمل کیا اور اپنے بعد آنے والی نسل تک دین کو من وعن پہنچایا۔

اسلام کے قانون (فقہ) کے اولین مآخذ قرآن وسنت ہیں اور رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کے اجتہادات اور فیصلے اس کے اولین تعمیری وترکیبی عناصر ہیں اور فقہی مذاہب اربعہ کی بنیاد انہیں اصولوں پر ہے۔

صحابہ کرامؓ میں جن برگزیدہ شخصیتوں نے فقہ اسلامی کی اصولی اجتہادی بنیادی قائم کیں اور بدلتے ہوئے حالات میں قرآن وسنت کے اصولی احکام سے استنباط کر کے عظیم فیصلے کئے ان میں حضرت عمر فاروق اعظمؓ کا درجہ بہت بلند ہے۔ درحقیقت آج تک دنیا نے رسول اللہ ﷺ کے بعد ان سے بڑا کوئی ماہر ومفکر پیدا نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمرؓ تاریخ اسلام میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔

سیدنا عمرؓ کی ذات جملہ محاسن وکمالات کا مجموعہ ہے۔ آپؓ کی شخصیت پر لکھی جانے والی کتب کا ذخیرہ

...یں کہا ہے۔ ...ن میں زیادہ تر آپ کے فضائل ومناقب اور آپ کے دورِ خلافت کی فتوحات کا ذکر ہے۔ آپ کی شخصیت کا ایک اور درخشندہ پہلو آپ ؓ کی بے مثال فقہی و اجتہادی بصیرت ہے۔ آپ ؓ کی یہی وہ فقہی اور اجتہادی آراء تھیں جن کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے آپ ؓ کے بارے میں فرمایا تھا:

"لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَكَانَ عُمَرُ"(ترمذی باب مناقب عمر ؓ ۲/۲۰۹)

میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ؓ ہوتے۔

لہٰذا اس مقالہ میں کوشش کی گئی ہے کہ آپ ؓ کی فقہی واجتہادی آراء کا جائزہ پیش کیا جائے۔

مسئلہ تحقیق:

اس تحقیقی مقالہ کا بنیادی مسئلہ درج ذیل نکات پر مشتمل ہے:

۱:- حضرت عمر ؓ کی شخصیت کئی حیثیتوں کا مجموعہ ہے، ان میں آپ ؓ کی اجتہادی حیثیت کا کیا مقام ہے؟

۲:- عہدِ رسالت ﷺ میں آپ ؓ کے کون کون سے اجتہادی مشورے تھے؟

۳:- عہدِ صدیقی ؓ میں آپ ؓ کے فقہی واجتہادی فیصلے اور مشورے کیا تھے؟

۴:- آپ ؓ نے اپنے دورِ خلافت میں کیا فیصلے کئے؟ اور ان فیصلوں سے آپ ؓ کی فقہی و اجتہادی بصیرت کس طرح ظاہر ہوتی ہے؟

افتراضات:

حضرت عمر فاروق ؓ کی فقہی واجتہادی حیثیت مسلمہ ہے۔ آپ ؓ نے عہدِ رسالت ﷺ میں بہت سی فقہی و اجتہادی آراء پیش کیں جن کی تائید میں قرآنی آیات کا نزول ہوا۔ عہدِ صدیقی ؓ میں اور آپ ؓ کے اپنے دورِ خلافت میں آپ ؓ کی فقہی واجتہادی آراء اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی کا باعث بنیں۔

مذکورہ افتراضات کی حقیقت مقالہ کے آخر میں خلاصہ میں پیش کی گئی ہیں۔

اہدافِ تحقیق:

اس تحقیقی مقالہ میں درج ذیل اہداف کو مدِ نظر رکھنے کی پوری کوشش کی گئی ہے:

۱:-سیدنا عمرؓ کی فقہی بصیرت کو واضح کرنا۔

۲:-اجتہاد اور فقہ میں حضرت عمرؓ کی راہنمائی کو واضح کرنا۔

۳:-حضرت عمرؓ کے فقہی اسلوب کو نمایاں کرنا۔

اسلوبِ تحقیق:

اسلوبِ تحقیق کی بنیاد درج ذیل نکات پر رکھی گئی ہے:

۱:-مقالہ کی بنیاد بنیادی مصادر پر ہے۔تاہم تشریح وتعبیر اور وضاحت کے لئے ثانوی مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

۲:-موضوع سے متعلق بنیادی استشہاد قرآن وسنت سے کیا گیا ہے۔

۳:-قرآن پاک کی آیات کی حیثیت بنیاد کی سی ہے اوران آیات کی تفسیر کے لئے تفسیر بالماثور پر مشتمل بنیادی تفاسیر سے مدد لی گئی ہے۔

۴:-احادیث رسول ﷺ کی تخریج بنیادی کتب حدیث سے کی گئی ہے۔اوران کی تشریح وتعبیر کے لئے احادیث کی مختلف شروح سے مدد لی گئی ہے۔

۵:-تاریخ، فقہ اور حدیث کے مصادر سے سیدنا عمرؓ کی اجتہادی بصیرت کے متعلق مثالوں کو جمع کیا گیا ہے اور وضاحت وتشریح اور تعبیر کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

خاکہ تحقیق:

اس تحقیقی مقالے کو مقدمہ، چار ابواب، خلاصہ اور نتائج میں تقسیم کیا گیا ہے۔جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

(باب اوّل) حضرت عمرؓ کا مقام و مرتبہ:

اس باب میں تین فصول ہیں۔ جن میں سیدنا عمرؓ کی ولادت، نسب اور قبول اسلام کا ذکر فصل اوّل میں ہے جب کہ دوسری فصل میں سیدنا عمرؓ کے مناقب، مختلف احادیث مبارکہ کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں اس طرح تیسری فصل میں حضرت عمرؓ کی فقہی و اجتہادی بصیرت کا پس منظر پیش کیا گیا ہے۔

(باب دوم) عہد رسالت ﷺ میں حضرت عمرؓ کے مشورے اور اجتہادی آراء:

یہ باب بھی تین فصول پر مشتمل ہے۔ فصل اوّل میں آپؓ کی ان اجتہادی آراء کا ذکر ہے۔ جن کی موافقت میں قرآنی آیات کا نزول ہوا۔ فصل دوم میں مختلف غزوات میں آپ کا کردار اور مشورے زیرِ بحث آئے ہیں جبکہ تیسری فصل میں آپؓ کی اجتہادی بصیرت کی مزید مثالوں کو جمع کیا گیا ہے۔

(باب سوم) عہد صدیقیؓ میں آپؓ کی اجتہادی آراء:

اس باب میں بھی تین فصول ہیں پہلی فصل میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے معاملے میں آپؓ کی تجویز اور دوسری فصل میں جمع و تدوین قرآن میں آپؓ کے کردار کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور تیسری فصل میں عہد صدیقیؓ میں آپؓ کی بصیرت کی چند دیگر مثالوں کو جمع کیا گیا ہے۔

(باب چہارم) حضرت عمرؓ کا دور خلافت اور آپؓ کی فقہی اور اجتہادی بصیرت:

یہ باب سات فصول پر مشتمل ہے۔ اس باب میں حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کے چند اہم امور پر بحث کی گئی ہے۔ جن سے آپؓ کی فقہی و اجتہادی بصیرت عیاں ہوتی ہے۔ اس باب کے موضوعات میں قاضیوں اور امراء کے لئے ہدایات، تراویح اور طلاق کے بارے میں آپؓ کا نقطہ نظر، قحط کی حالت میں چوری کی حد ساقط کرنے اور حضرت خالدؓ بن ولید کی معزولی اور چند متفرق معاملات میں سیدنا عمرؓ کی اجتہادی آراء شامل ہیں۔

مقالہ کے آخر میں مصادر و مراجع اور مقالہ کے موضوعات کی تفصیلی فہارس شامل ہیں۔

طریق تحقیق کے ہر پہلو کے دوران ورکشاپ میں دی جانے والی ہدایات اور ادارہ علوم اسلامیہ و عربی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کی روایات کی پیروی کی گئی ہے۔

اس کیسی کام کو بہتر سے بہتر بنانے کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے۔ مگر بتقاضاءِ بشریت اس میں بہت سی خامیاں اور کمزوریاں رہ گئی ہیں۔ (رَبَّنَا لَاتُؤَاخِذْ نَا اِنْ نَّسِينَا اَوْ اَخْطَأْنَا) اگر کہیں کوئی خوبی ہے تو وہ اللہ رب العزت کی مہربانی سے ہے جو ہر کمزوری سے پاک ہے۔

اس مقالہ کی تحریر کا مقصد کسی دنیاوی فائدے کا حصول نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنا اور اپنا نام رسول اللہ ﷺ کے جانثار صحابہؓ کے ساتھ محبت کرنے والوں کی فہرست میں ایک ادنیٰ ترین خادم کی حیثیت سے لکھوانا ہے۔

اللہ تعالیٰ میری اس حقیر کاوش کو شرفِ قبولیت بخشے اور اسے میرے، میرے والدین اور میرے اہل و عیال کے لئے توشۂ آخرت اور صدقہ جاریہ بنائے۔ (رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا)

اس مقالہ کی تکمیل کے دوران مطالعہ، تحقیق اور حوالہ جاتی کتب کی تلاش کے مرحلے میں ادارہ علوم اثریہ منٹگمری بازار فیصل آباد کے وقیع علمی ذخیرہ سے بھرپور استفادہ کیا گیا۔ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، زرعی یونیورسٹی، گورنمنٹ ملت کالج اور میونسپل لائبریری فیصل آباد کے علمی ذخیروں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ بعض علماء و سکالرز کی ذاتی لائبریوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

اظہار تشکر کے طور پر بندہ ناچیز سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہے کہ اس ذات باری نے احسان عظیم فرمایا اور اس کی رحمت سے یہ کام مکمل ہوا۔

والدین کی دعائیں میرے لئے سرمایہ افتخار ہیں۔ آج اگر کچھ اس قابل ہوا ہوں تو یہ ان کی دعاؤں اور ہمت افزائی کا نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔ (آمین)

مقالے کی منظوری اور خاکے کی تیاری کے لئے میں ڈاکٹر محمد ضیاء الحق صاحب چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا ممنون ہوں کہ ان کی خصوصی شفقت سے اس مقالہ کے ابتدائی مراحل طے ہوئے۔

میرے ایم۔اے علوم اسلامیہ کرنے کی ابتداء سے لے کر مقالہ لکھنے کے اختتام تک جس شخصیت نے میری بھرپور مدد فرمائی وہ پروفیسر محمد حامد رضا صاحب (نگران مقالہ ہذا) ہیں۔ ان کی شفقت میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ کتب کی جمع آوری، تحقیقی طریقوں سے آگاہی اور مقالہ پر اپنی بھرپور توجہ اور اصلاح کرنے پر بندہ ان

کا احسان مند رہے گا۔

شہر کے مختلف علماء اور سکالرز سے بھی مقالے کے بارے میں رہنمائی حاصل کی ان میں مولانا ارشاد الحق اثری صاحب (سابق ممبر اسلامی نظریاتی کونسل)، مولانا عبدالحئی انصاری صاحب، مولانا احسان الحق راشدی صاحب، ڈاکٹر محمد اسحق قریشی صاحب، مولانا محمد طارق محمود صاحب، پروفیسر علی اصغر شاہد صاحب اور پروفیسر نوید احمد شہزاد صاحب خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔

مقالہ لکھنے کے لئے مجھے فارغ رکھنے اور خود مشقت برداشت کرنے پر میں اپنے بہن بھائیوں اور ملک غلام دستگیر صاحب اور ان کے ساتھ چوہدری محمد اسلم سپرا صاحب کا بھی مشکور ہوں۔

آخر میں، میں اظہار تشکر کے لئے اپنی اہلیہ محترمہ کا ذکر خصوصیت سے کروں گا کہ جنہوں نے بچوں اور امور خانہ کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ میری بہت سی ذمہ داریوں کو بھی اُٹھائے رکھا اور مجھے فراغت فراہم کی۔

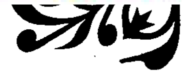
میں ان سب احباب کے بےلوث اور پرخلوص تعاون پر ان کا شکر گزار ہوں۔ (جَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاء)

میں اپنی بات اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو محبت رسول ﷺ اور محبت صحابہ کرامؓ سے بھر دے اور ان کی تعلیمات اور نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَاٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ.

محمد رمضان
رول نمبر 5803884 I
مکان نمبر P-1003، گلی نمبر 5، بازار نمبر 1
محلہ رضا آباد، فیصل آباد۔

موضوعات کی تفصیلی فہرست

باب اوّل

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ




فصل اول:

ولادت، نسب اور قبول اسلام

ولادت:

محمد ابن سعد نے طبقات میں سیدنا عمرؓ بن الخطاب کے حوالے سے آپؓ کی ولادت کے بارے میں یہ بیان نقل کیا ہے کہ میری ولادت فجار اعظم ثانی سے چار سال قبل ہوئی (فجار، وہ دن کہلاتا ہے جس میں قریش اور قیس بن غیلان میں جنگ ہوئی تھی) اسلام قبول کرتے وقت میری عمر چھبیس سال تھی۔ (۱)

اُس دور میں جب لوگ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، گھر میں اگر بیٹا پیدا ہوتا تو بہت خوشی کا اظہار کرتے کیونکہ بیٹا بہادری کی علامت اور بیٹی کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ خطاب کے گھر بھی جب بیٹا پیدا ہوا تو بہت خوشی کا اظہار کیا گیا۔

حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں حضرت عمروؓ بن العاص کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے کہ میں چند دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شور بلند ہوا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ خطاب کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔ (۲)

اس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پیدا ہونے پر غیر معمولی خوشی کی گئی تھی۔

سیدنا عمر فاروقؓ کا نام ونسب:

آپؓ کا نام عمرؓ، کنیت ابوحفص اور لقب فاروق تھا۔ والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام حنتمہ بنت ہشام بن المغیرہ تھا۔ سیدنا عمر فاروقؓ کا شجرہ نسب یہ ہے:

حضرت عمرؓ بن الخطاب بن نُفَیل بن عبدالعُزّٰی بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رَزَاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔ (۳)

اہل عرب عموماً عدنان یا قحطان کی اولاد ہیں۔ عدنان کا سلسلہ حضرت سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ عدنان کے نیچے گیارہویں پشت میں فہر بن مالک بڑے صاحب اقتدار تھے۔ انہی کی اولاد قریش کے لقب

سے مشہور ہے۔ قریش کی شاخیں دس اشخاص بہت اہم ہیں۔ عبدالدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمح، سہم۔ سیدنا عمر عدی کی اولاد سے ہیں۔ عدی کے دوسرے بھائی مرّہ تھے۔ جو رسول اللہ ﷺ کے اجداد سے ہیں۔ اس بناء پر سیدنا عمرؓ کا سلسلہء نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ ﷺ سے جا کر مل جاتا ہے۔

قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور تھے۔ اس لیے دنیاوی جاہ وجلال کے ساتھ ان کو مذہبی سیادت بھی حاصل تھی، چنانچہ انہوں نے تعلقات کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ کے پیش نظر کعبہ کے انتظام وانصرام کو دس شعبوں میں تقسیم کر کے اپنے ہی خاندان کے مذکورہ دس قبیلوں کے سپرد کر رکھا تھا۔ ان شعبوں میں سفارت اور ثالثی کا شعبہ بنوعدی کے پاس تھا یعنی امور خارجہ اور انصاف کا شعبہ بنوعدی کے پاس تھا۔

اسی لئے یہ خاندان ایامِ جاہلیت میں بھی نہایت ممتاز تھا اور کئی نسلوں سے یہ امتیاز سیدنا عمرؓ کے خاندان میں چلا آ رہا تھا۔ ددھیال کی طرح سیدنا عمرؓ ننھیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپؓ کی والدہ حنتمہ، ہشام بن مغیرہ کی بیٹی تھیں اور مغیرہ اس درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے جنگ آزمائی کے لئے جاتے تو فوج کا اہتمام انہی سے متعلق ہوتا تھا۔ (۴)

سیدنا عمر فاروقؓ کا سراپا:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد سیدنا عمرؓ کا سراپا بیان کرتے ہیں کہ آپؓ سرخ وسفید رنگت کے طویل القامت اور کم مو انسان تھے اور بقول سلمہ بن الاکوع آپؓ اپنے بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کا کام لیتے تھے۔ عبید بن عمیر کا بیان ہے کہ آپؓ اپنے لمبے قد کی وجہ سے لوگوں میں ممتاز اور نمایاں تھے۔ (۵)

ابو رجاء العطاروی نے سیدنا عمرؓ کا یوں تعارف کروایا کہ آپؓ دراز قامت، جسیم، کم مو، سفید فام، آنکھوں میں بے حد سُرخ ڈورے پڑے ہوئے اور کندھوں میں آگے کی جانب خفیف سے جھکاؤ تھا۔ حضرت عمرؓ اپنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ خضاب کا بھی استعمال کرتے تھے۔ (۶)

ابتدائی حالات:

سیدنا عمرؓ کے بچپن کے حالات معلوم نہیں اور جوانی کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں بقول مولانا شبلی نعمانیؒ اس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر فاروق اعظمؓ ہونے والا ہے تاہم تذکروں میں اتنا ضرور ملتا ہے کہ اس عمر میں اونٹوں کے چرانے کی خدمت آپؓ کے سپرد تھی اور آپؓ کے والد خطاب اس ضمن میں آپؓ سے بہتر سلوک نہ کرتے تھے۔ آپؓ پورا پورا دن اونٹ چراتے رہتے اور جب کبھی تھک کر دم لینا چاہتے تو خطاب سزا دیتے۔ جس میدان میں سیدنا عمرؓ کو یہ سخت خدمت انجام دینی پڑتی تھی۔ خلافت کے زمانہ میں ایک دفعہ اس میدان سے آپؓ کا گزر ہوا تو مصیبت کے اُن بیتے دنوں کو یاد کر کے آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا کہ اللہ اکبر! ایک وہ زمانہ تھا کہ میں نمدہ کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ سے مار کھاتا، آج یہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا میرے اوپر کوئی اور حاکم نہیں۔ (۸)

جوانی کا آغاز ہوا تو ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً رائج تھے ان میں نسب دانی، پہلوانی، سپہ گری اور مقرری سر فہرست تھیں حضرت عمرؓ نے ان مشغلوں میں مہارت پیدا کی اور شاہسواری میں خصوصیت سے کمال حاصل کیا۔ اس زمانہ میں آپؓ نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا۔ اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اس زمانے میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی۔ علامہ بلاذری نے لکھا کہ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں سترہ آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے ان میں سے ایک عمرؓ بن الخطاب تھے۔ (۹)

ان فنون سے فارغ ہونے کے بعد آپؓ تلاشِ معاش کی طرف متوجہ ہوئے۔ عرب میں چونکہ لوگوں کا ذریعہ معاش زیادہ تر تجارت تھا۔ اس لیے آپؓ نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور اس سلسلہ میں دور دور کے ممالک کا سفر کیا۔ اس سے آپؓ کو بڑے تجربات اور فوائد حاصل ہوئے۔ چنانچہ آپؓ کی خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی انہی سفروں کا نتیجہ تھی اور یہی وہ اوصاف تھے جن کے باعث قریش نے آپؓ کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا تھا۔ مؤرخین کے مطابق جب کبھی قبائل میں کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی تو آپؓ ہی سفیر بن کر جاتے اور اپنے غیر معمولی تجربہ اور فہم و تدبر سے ان پیچیدگیوں کو حل کر دیتے۔

سیدنا عمر فاروق کا قبولِ اسلام:

سیدنا عمر فاروق ؓ کے اسلام لانے کے متعلق تاریخ وسیر کی کتابوں کی روایات میں اختلاف ہے یہاں دو مشہور روایات درج کی جاتی ہیں۔ تاریخ اسلام میں سیدنا عمر ؓ کے اسلام لانے کا واقعہ خاص اہمیت رکھتا ہے اس لئے سیرت وطبقات کی تمام کتابوں میں اسی کا ذکر ہے۔

قبولِ اسلام کے وقت آپ ؓ کی عمر:

ذوالحجہ ٦ نبوی یعنی ہجرت سے سات سال قبل چھبیس یا ستائیس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔(١٠)

رسول اللہ ﷺ کی دعا:

آپ ؓ کی بے پناہ صلاحیتوں کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے آپ ؓ کے لئے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ! عمر بن خطاب یا عمر بن ہشام میں جو تجھے زیادہ پسند ہو اس سے اسلام کو قوت عطا فرما۔(١١)

قبول اسلام کے بارے پہلی روایت:

رسول اللہ ﷺ نے جب توحید کا پیغام قریش کے سامنے رکھا تو جہاں اور مخالفین پیدا ہوئے ان میں حضرت عمر ؓ بھی سرفہرست تھے۔ جس کے متعلق انہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے اس کے دشمن بن جاتے۔ آپ ؓ کے خاندان کی ایک کنیز جن کا نام لبینہ ؓ تھا اُنہیں قبولِ اسلام کی وجہ سے بے حد مارتے اُن کے سوا اور جس پر بس چلتا زدوکوب سے دریغ نہ کرتے تھے۔

جب سیدنا عمر ؓ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے تو مجبور ہو کر نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا اور کمر سے تلوار باندھ کر چل پڑے۔ راستہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے، انہوں نے حضرت عمر ؓ کے تیور دیکھ کر پوچھا ''خیر تو ہے؟'' بولے ''محمد ﷺ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا ''پہلے اپنے گھر کی خبر لو خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ یعنی سعید ؓ بن زید اور فاطمہ ؓ۔ یہ سن کر فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے۔ وہ قرآن حکیم حضرت خباب ؓ بن الارت سے پڑھ رہے تھے۔ اُن کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا لئے۔ لیکن آواز چونکہ ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ اس لیے بہن سے پوچھا: ''یہ

یسی آواز سی'' انہوں نے کہا کچھ ہیں۔ بولے میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو یہ کہہ کر بہنوئی سے دست وگریبان ہوگئے اور جب آپ ؓ کی بہن اپنے خاوند کو بچانے کے لئے آئیں تو انہیں بھی زخمی کر دیا۔ ایسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا ''عمر جو بن آئے کرو، لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے حضرت عمر ؓ کے دل پر خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا اور فرمایا ''تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ'' فاطمہ ؓ بنت الخطاب نے قران کے اجزاء لاکر سامنے رکھ دیئے۔ آپ ؓ نے اپنی بہن کی درخواست پر وضو کر کے اجزاء اُٹھا کر کھولے تو یہ سورۃ تھی:

''سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ'' (۱۲)

''زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں وہ غالب اور حکمت والا ہے''

ایک ایک لفظ پر دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے:

''اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِه'' (۱۳)

''خدا اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ''

تو بے اختیار پکار اٹھے:

''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ''

رسول اللہ ﷺ دارارقم میں تھے جو کوہِ صفا کے نیچے واقع تھا سیدنا عمر ؓ وہاں پہنچے اور اسلام قبول کر لیا رسول اللہ ﷺ بے ساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ ؓ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔ (۱۴)

مذکورہ روایت کے بارے میں محمد حسین ھیکل لکھتے ہیں کہ آپ ؓ کے قبول اسلام والی روایت میں ارادہ قتل کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے عقل اسے تسلیم نہیں کرتی اور اسی لئے میرے نزدیک یہ نا قابلِ اعتبار ہے۔ میرے نزدیک وہ درست ہے جو روایت حضرت فاروق اعظم ؓ کی زبان مبارک سے بیان کی گئی ہے اور جس کی تائید امام احمد بن

بن نے اپنی مسند میں کی ہے یہ روایت سیدنا عمر فاروق ؓ کی نفسیات اور ان کی شخصیت سے بھی مطابقت رکھتی ہے۔()

وہ روایت یہ ہے:

قبول اسلام کی دوسری روایت:

سیدنا عمر فاروق اعظم ؓ نے فرمایا کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے اس نیت سے کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچاؤں گھر سے نکلا۔ آپ ﷺ مجھ سے پہلے ہی خانہ کعبہ میں موجود تھے۔ میں آپ ﷺ کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے سورۃ الحاقہ پڑھنی شروع کی۔ قرآن کے اسلوب نے مجھے حیرت زدہ کر دیا جب آپ ﷺ نے سورۃ ختم کی تو اسلام پوری طاقت سے میرے دل میں اتر چکا تھا۔(۱۶)

مذکورہ بالا دو روایات کے علاوہ بھی کئی دوسری روایات کتب تاریخ و سیر میں موجود ہیں۔ ان میں کچھ اختلاف بھی پایا جاتا ہے لیکن ان سب میں چند باتیں مشترک نظر آتی ہیں:

۱:- جب حضرت عمر ؓ نے رسول اللہ ﷺ یا کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائی یا ارادہ کیا تو انہیں مقابلے میں صبر، عزم اور استقلال کا سامنا کرنا پڑا۔

۲:- حضرت عمر ؓ کو متعدد مواقع ایسے نصیب ہوئے جن میں انہوں نے قرآن پاک کو قریب سے سنا، حضرت عمر ؓ ایسے زیرک اور عبقری انسان کے قلب نے قرآنی حقائق کو تسلیم کرنا شروع کر دیا۔

۳:- حالات و ماحول نے ان کے اوپر شرک کی جو تہہ چڑھا رکھی تھی قرآن سننے کے بعد اسے اکھڑنے میں دیر نہ لگی۔

تاریخ و سیر کی کتب میں آپ ؓ کے قبول اسلام کے جو مختلف واقعات مذکور ہیں در اصل وہ ایک مکمل واقعہ کی مختلف سلسلہ وار کڑیاں ہیں۔ حضرت نعیم بن عبد اللہ کے واقعہ سے پہلے یقیناً آپ ؓ کے دل کے اوپر سے اندھیرے کی بہت ساری تہیں اتر چکی تھیں، بہن اور بہنوئی کی استقامت پھر سورۃ الحدید کی آیات نے اس آخری تہہ کو جو دل کے اوپر باقی رہ گئی تھی توڑ ڈالا۔ اور یہ واقعہ آپ ؓ کے قبول اسلام کا مقبول و معروف سبب بن گیا۔

مذکورہ سب باتوں پر مستزاد رسول اللہ ﷺ کی دعا تھی جس نے اپنا اثر دکھایا حضرت عمر ؓ جب سوچ سمجھ کر

اسلام کے قائل ہوئے تو وہ کھل کر سامنے آئے۔ اور اسلام کے لئے اپنی ہر چیز قربان کرنے پر آمادہ ہوئے۔

آپ ؓ کے قبول اسلام سے اسلام کی تقویت:

حضرت عمر ؓ کے مسلمان ہونے پر اسلام پس پردہ نہ رہا بلکہ عرب میں اس کی تبلیغ برملا ممکن ہوگئی مخالفین بھی مسلمانوں کو ہراساں کرنے سے باز آ گئے۔

منفرد اعزاز:

سیدنا عمر ؓ کو پوری اسلامی تاریخ میں یہ منفرد اعزاز حاصل ہے کہ ہر ایک نے اپنی خواہش اور طلب پر رسول اللہ ﷺ سے مصاحبت اختیار کی لیکن سیدنا عمر ؓ کو اپنی صحبت اور رفاقت کے لئے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے منتخب فرمایا۔

نعرہ تکبیر بلند ہوا:

کتب تاریخ و سیر میں یہ بات موجود ہے کہ جب آپ ؓ نے قبول اسلام کیا تو صحابہ ؓ نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور کسی کے اسلام قبول کرنے پر ایسا عمل نہیں ہوا۔

کعبہ کا دروازہ کھل گیا:

مسلمان اعلانیہ طور پر کعبہ میں عبادت نہیں کر سکتے تھے۔ سیدنا عمر ؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد یہ حالت بدل گئی انہوں نے نہ صرف یہ کہ اعلانیہ اپنے اسلام کا اظہار کیا بلکہ مشرکین کو جمع کر کے بہ آواز بلند اپنے ایمان کا اظہار کیا۔ جس پر مشرکین نہایت برہم ہوئے اور تشدد پر اتر آئے۔ سیدنا عمر ؓ نے ان کا مقابلہ کیا اور بالآخر مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ آپ ؓ نے کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ باطل کے مقابلے پر حق سر بلند ہوا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا بیان:

آپ ؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر ؓ کا قبول اسلام ہماری کامیابی تھی۔ ان کی ہجرت ہماری نصرت اور ان کی خلافت ہمارے لئے باعثِ رحمت تھی جب تک عمر ؓ اسلام نہیں لائے تھے۔ ہم کعبہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ جب وہ اسلام لائے تو قریش سے لڑ بھڑ کر ہمارا حق تسلیم کرالیا کہ ہم بھی کعبہ میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ (۱۷)

فصل دوم:

مناقب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

یوں تو دنیا میں مناقب اور اوصاف و کمالات کے لحاظ سے بے شمار شخصیتیں ہو گزری ہیں۔ لیکن تمام کائنات میں افضل البشر بعد الانبیاء سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد جو خصوصیات اور فضائل سیدنا عمرؓ بن خطاب کو حاصل ہیں وہ کسی اور حاصل نہیں۔ یوں تو آپ کے بے شمار مناقب ہیں لیکن ذیل میں قرآن و حدیث کی روشنی میں آپ کے چند مناقب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔عظمتِ فاروقی:

قرآن مجید کی روشنی میں آپؓ کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپؓ کی آراء کی موافقت میں تقریباً سولہ آیات کا نزول ہوا۔ ان آیات کے بارے مفصل فصل اگلے باب میں آ رہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کی عظمت کے بارے ذیل کی حدیث میں جو فرمایا وہ کسی اور صحابی کے بارے میں بیان نہیں فرمایا:

"عَنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ بَعْدِى نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ"(۱۸)

"حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے"

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ، سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ اُحد پہاڑ پر تشریف لے گئے اس دوران وہاں پر زلزلہ آیا آپ ﷺ نے فرمایا:

"اُثْبُتْ اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ، صِدِّيْقٌ وَّ شَهِيْدَانِ"(۱۹)

''اے احد سلون لرجھ پر ایک بی (علیہ السلام) ایک صدیقؓ اور دو شہیدؓ کھڑے ہیں''

مذکورہ دونوں احادیث مبارکہ سے سیدنا عمر فاروقؓ کی عظمت ظاہر ہو رہی ہے۔

۲:۔ اس اُمت کے پہلے محدث:

یوں تو اس امت میں کئی محدث ہوئے ہیں لیکن جس ہستی کے محدث ہونے پر رسول اللہ کی شہادت موجود ہے اور ان کی رائے نے بارہا وحی الٰہی سے تصدیق پائی ہے۔ وہ سیدنا عمر فاروقؓ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ مبارک کے باعث آپؓ اس روحانی مقام پر فائز ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِى اِسْرَآئِيْلَ رِجَالٌ يُكَلَّمُوْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَكُوْنَ اَنْبِيَاءَ فَاِنْ يَّكُ فِىْ اُمَّتِىْ اَحَدٌ فَعُمَرُ''(۲۰)

''بے شک تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف پایا لیکن وہ نبی نہ ہوتے تھے میری امت میں کوئی ایسا ہے تو وہ عمر ہیں''

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی ایک ایسی ہی روایت نقل ہوئی ہے۔(۲۱)

بے شک آپؓ اس امت کے محدث تھے۔ آپؓ نبی نہ تھے لیکن وہ القائے ربانی سے نوازے جاتے تھے۔ صادق الظن تھے۔ ان کا گمان ہمیشہ سچ نکلتا تھا۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قَدْ كَانَ يَكُوْنُ فِى الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ يَكُنْ فِىْ اُمَّتِىْ اَحَدٌ فَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ''(۲۲)

''بے شک تم سے پہلی امتوں میں بھی محدث (اللہ تعالیٰ کے کلام کو پانے والے) ہوئے ہیں ان میں سے میری امت میں اگر کوئی ہے تو

وہ عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) ہیں"

امام نوویؒ لکھتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن وہب کہتے ہیں کہ محدث سے مراد ملہم لوگ ہیں اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو صادق الظن ہوتے ہیں ان کا گمان بھی درست ہوتا ہے۔ گویا انہیں کوئی بات بتائی جاتی ہے اور وہ اس پر رائے قائم کر لیتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرشتے ان سے باتیں کرتے ہیں۔ بعض روایات میں ان کے لئے مکلموں کا لفظ بھی آیا ہے امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حق اور صواب ان کی زبانوں پر گردش کرتا ہے۔ اس حدیث سے اولیاء کے لئے کرامات کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ (۲۳)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

"اَلْمُحَدَّثُ بِالْفَتْحِ وَهُوَ الرَّجُلُ الصَّادِقُ الظَّنِّ وَهُوَ مَنْ اُلْقِیَ فِیْ رَوْعِهٖ شَیْءٌ مِنْ قِبَلِ الْمَلَاِ الْاَعْلٰی فَیَكُوْنُ كَالَّذِیْ حَدَّثَهٗ غَیْرُهٗ" (۲۴)

"محدث کا لفظ دال کے زبر سے ہے اس سے صادق الظن بزرگ مراد ہیں ان کے قلوب میں ملاء اعلیٰ سے کوئی چیز ڈالی جاتی ہے اور پھر اسی طرح ہوتا ہے جیسے انہوں نے اس کی کسی کو خبر دی تھی"

۳:۔ شیطان کے تسلط سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں:

اللہ تعالیٰ کی وہ برگزیدہ ہستیاں جنھیں وہ اپنے بندے کہے وہ شیطان کے تسلط سے اللہ کی حفاظت کے سائے میں ہیں لیکن ایسے کاملین بھی ہیں کہ اگر شیطان ان پر اتری بات میں اپنی بات ڈالے بھی تو اللہ تعالیٰ فوراً اس شیطانی زنجیر کو کاٹ دیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو پہلے ہی کہہ دیا تھا:

"اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ" (۲۵)

"یقیناً میرے بندوں پر تجھے کوئی اقتدار حاصل نہ ہوگا"

انبیاء و مرسلین کے ساتھ صرف محدث ہیں جو اس کامل حفاظت سے نوازے جاتے ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس قریش کی کچھ خواتین بیٹھی کچھ

بلند آواز سے باتیں کررہی تھیں کہ سیدنا عمرؓ آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا عمرؓ کا نام سنتے ہی یہ سب پردے میں چلی گئیں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمرؓ کو آنے کی اجازت دی آپؓ آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر مسکراہٹ ہے۔ آپؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی اللہ تعالیٰ آپؐ کو مسکرائے رکھے کیا بات تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ان عورتوں پر تعجب ہو رہا ہے کہ تمہاری آواز سنتے ہی ایک طرف ہوگئی ہیں۔ آپؓ نے ان خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''تم مجھ سے ہیبت کھاتی ہو اور حضور ﷺ سے تمہیں ڈر نہیں لگتا'' انہوں نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ آپؓ بہت سخت مزاج ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: ''اور سن لو اے خطاب کے بیٹے''

''مَالَقِیَکَ الشَّیطَانُ سَالِکاً فَجّاًقَطُّ اِلَّاسَلَکَ فَجّاًغَیرَ فَجِّکَ''(۲۶)

''تجھے چلتے ہوئے شیطان کسی رستے میں نہیں ملتا مگر یہ کہ وہ تیری راہ چھوڑ کر دوسری راہ لے لیتا ہے''

جب شیطان آپؓ کی راہ چھوڑتا ہے تو ظاہر ہے کہ آپؓ اور شیطان میں دوری اور بُعد ایک فطری اور دائمی صورت رکھتے تھے۔ یہ گناہوں سے بچاؤ کی بہت عظیم خبر ہے۔ آپؓ سے بھاگنے والے صرف شیاطین ہی نہیں بلکہ جو انسان شیطان صفت ہونگے وہ بھی ان کے نام سے بھاگتے ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اِنِّیْ لَاَ نْظُرُ اِلٰی شَیَاطِیْنِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ قَدْ فَرُّوْا مِنْ عُمَرَ''(۲۷)

''میں دیکھتا ہوں کہ شیاطین خواہ وہ انسانوں سے ہوں یا جنات سے عمر سے بھاگتے ہیں''

۴:- دین کی زینت اور اسلام کی عزت:

حضرت ابوسعید الخدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نیند میں تھا کیا دیکھتا ہوں

کہ لوگ میرے سامنے پیش لئے جا رہے ہیں اور وہ قمیص پہنے ہوئے ہیں جس کی قمیص چھاتی تک ہے اور بعض کی اس سے بھی کم اور (سیدنا) عمرؓ بن الخطاب بھی گزرے ان پر ایسی قمیص ہے جو زمین پر گھسٹتی جا رہی ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا اس سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ دین ہے جو قمیص کی شکل میں مجھے دکھلایا گیا ہے۔ (۲۸)

اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کو آپؓ کے عمل کی صورت دکھلائی گئی کہ کس طرح قباءِ دین آپؓ کے جسم کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی:

"اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَبِّ ھٰذَیْنِ الرَّجُلَیْنِ اِلَیْکَ بِاَبِیْ جَھْلٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ" (۲۹)

"اے اللہ! عمر بن الخطاب اور عمرو بن ہشام میں سے جو تجھے پسند ہو اس سے اسلام کو عزت عطا کر"

اور سیدنا عمرؓ اللہ کی نظر میں اس کے پیارے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کی عزت بڑھی جب سے عمرؓ اسلام لائے۔ اللہ کی قسم ہم کعبہ کے پاس اعلانیہ نماز بھی نہ پڑھ سکتے تھے یہاں تک کہ عمرؓ اسلام لائے۔ (۳۰)

۵:- سیدنا عمرؓ کا علمی مرتبہ:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"رَاَیْتُ کَاَنِّیْ اُتِیْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ فَاَعْطَیْتُ فَضْلِیْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ" (۳۱)

"میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے دودھ کا ایک پیالہ دیا گیا جسے میں نے پیا اور اپنا بچا عمر بن الخطاب کو دے دیا"

رسول اللہ ﷺ سے اس کی تعبیر پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا "العلم"۔ اس سے حضرت عمرؓ کی شان دکھائی گئی ہے۔ یہ علمی مرتبہ اور بصیرت آپؓ کی ایک اور بہت بڑی فضیلت ہے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَوْ كَانَ نَبِيٌّ بَعْدِيْ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ"(۳۲)

"میرے بعد کوئی اور نبی مبعوث ہونا ہوتا تو وہ عمر بن الخطاب ہوتے"

۶:-حق گوئی اور صدق دلی کی آسمانی تصدیق:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّ اللہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَ قَلْبِہٖ"(۳۳)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے حق کو عمرؓ کی زبان سے جاری کردیا ہے"

رسول اللہ ﷺ نے صرف زبان کی بات نہیں کی آپؓ کے دل کی بابت بھی فرمایا۔ بسا اوقات منافق بھی صحیح بات کہتے تھے مگر ان کا دل ان کے ساتھ نہ ہوتا تھا۔ کس قدر خوش قسمت ہے وہ انسان جس کی زبان اور دل ایک سے ہوں پھر یہ کہ رسالت مآب ﷺ اس کی شہادت دے رہے ہوں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب یہ حدیث روایت کی تو ساتھ اپنی شہادت یہ دی کہ جب بھی لوگوں پر کوئی واقعہ رونما ہوا اور انہوں نے اس میں کچھ کہا اور حضرت عمرؓ نے بھی کچھ کہا تو قرآن کریم نے اس کی تائید کی جو سیدنا عمرؓ نے کہا ہوتا۔

۷:-سیدنا عمرؓ کی قدسی آنکھ کا ادراک:

رسول اللہ ﷺ نے بلاوجہ سیدنا عمرؓ کے محدث ہونے کی خبر نہ دی تھی آپ ﷺ نے ان کی قدسی آنکھ کے ادراک کو پوری طرح بھانپ لیا تھا پھر اسی قدسی آنکھ کے کمالات صحابہؓ نے خطبہ میں بھی دیکھے کہ ہزاروں میل کے فاصلے سے "یا ساریہ الجبل" کی آواز دے رہے ہیں۔ اسلامی لشکر کی پوری تیاری آپؓ پر اتار دی گئی لوگ کہنے لگے ساریہ یہاں کہاں وہ تو عراق گئے ہوئے ہیں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بات کرنے سے منع فرمایا کہ حضرت عمرؓ کو رہنے دو (ان پر سوال نہ اٹھاؤ) آپؓ جب بھی کسی بات میں پڑے آپؓ کے پاس اس کا حل ضرور ہوتا ہے۔

زیادہ دن نہ گزرے کہ ساریہؓ عراق سے واپس آئے اور انہوں نے بتایا کہ میں نے وہاں سیدنا عمرؓ کی آواز سنی تھی اور میں پہاڑ پر چڑھ گیا تھا وہ آواز کیا تھی؟ ساریہؓ پہاڑ کی طرف ہو جا جس نے بھیڑیے کی رعایت کی

اس نے تھام لیا۔(۳۴)

۸:-خلافت کی پیشین گوئی:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک کنویں پر چرخی پر پانی کا ڈول کھینچ رہا ہوں کہ ابوبکرؓ آ گئے۔ آپؓ نے ایک دو ڈول نکالے ہوں گے کہ عمر بن الخطاب آ گئے ابوبکرؓ کے ڈول کھینچنے میں کمزوری تھی اللہ تعالیٰ آپؓ کو اس پر بخش دیں گے۔ عمرؓ کے وقت ڈول بڑا ہو گیا۔ میں نے کسی سردار کو اس توانائی سے پانی نکالتے نہیں دیکھا یہاں تک کہ سب لوگ سیراب ہو گئے۔(۳۵)

یہ آپؓ کی خلافت کا نقشہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کو ایک مثالی شکل میں دکھایا گیا۔ خلافت عوام کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اور نفع پہنچانے کا نام ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مخلوق خدا نے جو نفع اور آرام سیدنا عمرؓ کی خلافت میں پایا اس کی نظیر نہیں ملتی کیونکہ خلیفہ اپنے نام سے نہیں اپنے کام سے پہچانا جاتا ہے کہ وہ خلافت کا حق ادا کر رہا ہے یا نہیں۔

۹:-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت میں آپؓ کا محل دیکھا:

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں جنت میں ہوں وہاں میں نے (اپنی رضاعی خالہ) رمیصاء زوجہ ابی طلحہ کو دیکھا اور میں نے کسی کے قدموں کی آواز سنی میں نے پوچھا کون ہے مجھے جواب دیا گیا یہ بلالؓ ہیں اور میں نے ایک محل دیکھا جس کے سامنے ایک باندی کھڑی ہے میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے؟ اس نے کہا عمر بن الخطاب کا میں نے چاہا کہ میں اسے اندر جا کر دیکھوں مگر اے عمرؓ مجھے تیری غیرت کا دھیان آ گیا سیدنا عمرؓ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان میں آپ ﷺ کی بات پر بچار کروں گا۔(۳۶)

امام ترمذیؒ اس مقام پر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے سو امام ترمذیؒ نے متنبہ فرمایا کہ رسول اللہ نے جو حضرت عمرؓ کے محل کی خبر دی ہے وہ وحی الٰہی پر مبنی ہے اور ایسی خبر ہے جس کے ارد گرد شک کا کوئی کانٹا بکھرا نہیں ہے پھر آپ ﷺ نے صرف آپؓ کے محل کو ہی نہیں دیکھا بلکہ آپؓ

کا مقام خلافت کی خواب دیکھ لیا اور دیکھا کہ آپ کی خلافت سیدنا ابوبکر صدیق سے بھی زیادہ عرصہ امت کے لئے فیض بخش رہی۔

۱۰:۔قبروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اٹھنے کی سعادت:

ترمذیؒ مناقب سیدنا عمرؓ میں نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ ثُمَّ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ اٰتِيْ اَهْلَ الْبَقِيْعِ فَيُحْشَرُوْنَ مَعِيْ''(۳۷)

''میں پہلا ہوں گا جس کی قبر کھلے گی پھر ابوبکر پھر عمر کی۔ پھر میں بقیع میں آؤں گا اور مدفونین بقیع میرے ساتھ جمع کئے جائیں گے''

ایک ہی جگہ سے اٹھنا اور اس ترتیب سے اٹھنا اس بارے رسول اللہ ﷺ کو ان تین مدافن کا علم بخشا گیا تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ اس گنبد خضراء میں اور کون کون مکین ہوں گے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ رب العزت نے ان تینوں کو ایک مٹی سے پیدا کیا تھا۔

فصل سوم:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فقہی واجتہادی بصیرت کا پس منظر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن چھ نبوی میں اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے ان چھ سالوں میں آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کئی اتار چڑھاؤ آئے آپ رضی اللہ عنہ نے غور وفکر کیا گردوپیش کے حالات کا جائزہ لیا۔ رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی کو دیکھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اُسی معاشرے میں رہ رہے تھے جس نے آنحضرت ﷺ کو صادق اور امین کا لقب دیا تھا۔ یہ تمام حالات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے تھے اور وہ غور وفکر کر رہے تھے بالآخر وہ لمحہ آ گیا جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا۔

اس مقالہ میں سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی اور اجتہادی بصیرت کو موضوع بنایا گیا ہے اب دیکھنا ہے کہ وہ کون سے عوامل ہیں جو اس بصیرت کا باعث بنے یعنی اس بصیرت کا پس منظر کیا ہے؟ ذیل میں چند عوامل پیش کیے جاتے ہیں:

ا:- خاندانی پس منظر:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عدی کی اولاد سے ہیں اور یہ آپ رضی اللہ عنہ کے جداعلیٰ قریش کی طرف سے سفارت کے شعبہ کے سربراہ تھے۔ قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آتا تو یہ سفیر بن کر جاتے اس طرح سے آپس کے جھگڑوں کو ختم کرنے کے لئے یہ ثالث کا کردار ادا کرتے تھے۔

عرب میں دستور تھا کہ برابر کے دو سرداروں کو جب اپنی اپنی برتری کا دعویٰ ہوتا تو اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے ایک قابل شخص کو ثالث مقرر کرتے جو اس بات کا فیصلہ کرتا کہ کون اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ جو لوگ ان معرکوں میں ثالث مقرر کئے جاتے ان میں معاملہ فہمی کے ساتھ ساتھ فصاحت اور تقریر کا جوہر بھی ہوتا۔ سفارت اور ثالث یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسل درنسل چلے آتے تھے۔ (۳۸)

(ا) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دادا جان:

آپ کے دادا جان نفیل بن عبدالعزیٰ نے اپنے آباؤ اجداد کی طرح ان مناصب کو احسن طریقہ سے انجام دیا اور اس لئے بڑے اہم لوگوں کے مقدمات ان کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے آتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے جد امجد عبدالمطلب اور حرب بن اُمیہ میں جب ریاست کے دعویٰ پر جھگڑا ہوا تو دونوں نے نفیل ہی کو حکم مانا۔ نفیل نے عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ کیا۔

(ب) سیدنا عمرؓ کے چچازاد بھائی زید بن عمرو:

نفیل کے دو بیٹے تھے۔ ایک عمرو اور دوسرے خطاب، عمرو کے بیٹے اور سیدنا عمرؓ کے چچازاد بھائی زید بہت قابل شخص تھے۔ وہ اُن ممتاز بزرگوں میں تھے جنہوں نے جاہلیت کے دور میں اپنے اجتہاد سے بت پرستی کو ترک کر دیا تھا اور موحد بن گئے تھے۔ ان کے ساتھ قیس بن ساعدہ اور ورقہ بن نوفل بھی موحد بن گئے تھے۔ زید بت پرستی اور جاہلانہ رسومات کو اعلانیہ برا کہتے تھے اور لوگوں کو دین ابراہیم کی طرف بلاتے تھے۔

(ج) سیدنا عمرؓ کے والد محترم:

آپؓ کے والد محترم خطاب بن نفیل تھے جو قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے۔

(د) سیدنا عمرؓ کے نانا جان:

آپؓ کے والد خطاب نے کئی شادیاں اہم خاندانوں میں کیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کی والدہ محترمہ حنتمہ تھیں۔ جو ہشام بن المغیرہ کی بیٹی تھیں۔ مغیرہ کے بیٹے ہشام جو سیدنا عمرؓ کے نانا تھے ایک مشہور آدمی تھے۔

سیدنا عمرؓ کے خاندانی پس منظر کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپؓ کے آباؤ اجداد کا معاشرے میں ایک اہم مقام تھا اور لوگ انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ سیدنا عمرؓ کی شخصیت میں جو اجتہادی عنصر نمایاں تھا۔ یہ عنصر انہیں کافی حد تک اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں ملا تھا۔ جس طرح آپؓ کے چچازاد بھائی زید بن عمرو نے جاہلیت کے دور میں اپنے اجتہاد سے بت پرستی کو ترک کر دیا تھا۔ سفارت اور ثالثی کرنے والے بہت بصیرت کے مالک ہوتے ہیں۔ اور یہی بصیرت آگے چل کر سیدنا عمرؓ کے بہت کام آئی۔

۲:- علمی پس منظر:

لکھنے پڑھنے کا ذوق آپ ؓ کو ابتداء ہی سے تھا اور آپ ؓ اس زمانہ سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے جب قریش میں صرف سترہ آدمی پڑھے لکھے تھے۔ مسند دارمی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ؓ کو عبرانی زبان سے بھی واقفیت تھی، ایک مرتبہ آپ ؓ، رسول اللہ ﷺ کے پاس توریت کا ایک نسخہ لے گئے اور پڑھنا شروع کیا یہ پڑھتے جاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کا رنگ مبارک متغیر ہوتا جاتا تھا۔(۳۹)

آپ ؓ کی فقہی اور اجتہادی بصیرت میں اس علمی پس منظر کو بھی بڑا دخل تھا۔ آپ ؓ نے انساب کا فن اپنے والد سے سیکھا تھا آپ ؓ اپنے آباؤ اجداد کی طرح بہت بڑے نساب تھے اور جب آپ ؓ انساب کے متعلق کچھ بیان فرماتے تو ہمیشہ اپنے والد خطاب کا حوالہ دیتے تھے۔(۴۰)

شاعری کا نہایت بلند اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے اور تمام مشہور شعراء کے چیدہ چیدہ اشعار ان کو یاد تھے۔ اس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ یہ مذاق انہوں نے جاہلیت ہی میں عکاظ کی تعلیم گاہ میں حاصل کیا ہوگا۔(۴۱)

اسلام لانے کے بعد وہ مذہبی کاموں میں ایسے مصروف ہوگئے تھے کہ اس قسم کے چرچے بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ مشہور ادیب جاحظ لکھتے ہیں کہ سیدنا عمر ؓ اپنے عہد کے سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے۔(۴۲)

۳:- پسندیدہ مشاغل:

صحت مند جسم میں ہی صحت مند دماغ ہوتا ہے آپ ؓ نے اپنی جسمانی حالت کو درست رکھنے کے لئے اُس دور کی مروجہ کھیلوں میں حصہ لیا۔ کھیلوں میں آپ ؓ کے پسندیدہ مشاغل میں پہلوانی اور شہسواری تھی۔

پہلوانی اور کشتی کے فن میں کمال حاصل کیا زمانہ جاہلیت میں عکاظ کے میلے میں دنگل میں کشتی بھی لڑا کرتے تھے۔(۴۳)

شہسواری میں بھی کمال حاصل کیا۔ دوڑتے گھوڑے پر اچک کر بیٹھ سکتے تھے۔ اُن کی بصیرت کو بڑھانے میں ان صحت مند مشاغل کا بھی حصہ ہے۔

۴:- سیاحت اور تجارت:

عرب میں ذریعہء معاش زیادہ تر تجارت تھا اس لئے سیدنا عمرؓ نے بھی یہی ذریعہ اختیار کیا۔ اس لئے آپؓ تجارت کی غرض سے اکثر دور دراز کے علاقوں مثلاً عراق، شام اور یمن وغیرہ جایا کرتے تھے۔ آپؓ کا طریقہ یہ تھا کہ ضرورت کے مطابق کاروبار کر کے باقی وقت وہاں کے اہم لوگوں اور اربابِ حکمت و دانش سے ملتے اور اس طرح اپنے علم وفکر میں اضافہ کرتے۔

خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی جیسے اوصاف جو اُن میں اسلام لانے سے قبل پیدا ہو گئے تھے سب انہی سفروں کی بدولت تھے۔ اس سیاحت اور تجارت نے اُن کی فقہی اور اجتہادی بصیرت کو چار چاند لگائے۔

۵:- سفارت اور ذہانت:

سفارت کا خاندانی عہدہ جب ان کے سپرد ہوا تو قبائل میں جب کوئی پیچیدہ مسئلہ درپیش ہوتا تو سیدنا عمرؓ ہی سفیر بن کر جاتے تھےاور اپنے فہم وتدبر سے اس کو حل کرتے تھے۔ (۴۴)

مذکورہ خاندانی عہدہ اُن کی ذہانت کو مدِنظر رکھ کر اُن کے سپرد ہوا کیونکہ عکاظ کے معرکوں اور تجارت کے تجربوں نے ان کو تمام عرب میں روشناس کر دیا اور لوگوں پر ان کی قابلیت کے جوہر کھلتے گئے۔ یہاں تک کہ قریش نے ان کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا۔ آپؓ کی فقہی اور اجتہادی بصیرت میں آپؓ کی سفارت اور ذہانت کا بھی عمل دخل ہے۔

۶:- معاملہ فہمی اور خود اعتمادی:

سیدنا عمرؓ اپنی عقل مندی اور معاملہ فہمی کے باعث معاشرے میں خاص رعب داب رکھتے تھے۔ عام طور پر آدمی جسمانی اور ذہنی طور پر یکساں صلاحیتوں کا مالک ہو تو اس کا بڑا دبدبہ ہوتا ہے اور وہ خاص احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ آپؓ کو خاندانی پس منظر اور زندگی کے تجربات نے معاملہ فہم بنا دیا تھا۔

آپؓ ایک بیدار مغز، صحت مند اعضا اور مضبوط اعصاب کے انسان تھے لہٰذا وہ کسی ایسی چیز سے متاثر نہ ہوتے اور نہ ہی اسے قبول کرتے جب تک وہ اس کے قائل نہ ہوں۔ اسی لئے آپؓ نے اسلام کی دعوت قبول

کرنے میں جلدی نہیں کی بلکہ کافی عرصہ تک بڑی شدت سے مخالفت کرتے رہے۔ ایسا طرزِ عمل وہ شخص اختیار کرتا ہے جو ذہنی طور پر خود اعتماد ہو۔

۷:۔ پُرکشش شخصیت:

انسان کے کردار اور افعال میں اُس کی پُرکشش شخصیت کا بہت عمل دخل ہوتا ہے۔ سیدنا عمرؓ پُرکشش شخصیت کے مالک تھے آپؓ کے سراپا کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ آپؓ گورے، بہت اونچے اور جیم شحیم آدمی تھے۔ قوموں پر حکمرانی کرنے والے ایسی ہی شخصیت کے مالک ہوتے ہیں۔ آپؓ کی بصیرت، سیرت اور صورت دیدنی تھی۔ سیدنا عمرؓ کی شخصیت کی اس تثلیث نے آگے چل کر اقوامِ عالم میں اپنے آپ کو منوایا۔

۸:۔ شجاعت و بہادری:

سیدنا عمرؓ کی شجاعت و بہادری ضرب المثل تھی اور وہی شخصیت اپنی اجتہادی بصیرت کا برملا اظہار کر سکتی ہے جو شجاعت و بہادری سے متصف ہو اسی بہادری نے مسلمانوں پر خانہء کعبہ کے دروازے عبادت کے لئے وا کئے۔ فاروقی للکار نے کفر کے ایوانوں میں سناٹا طاری کر دیا۔

۹:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد:

سیدنا عمرؓ کی شخصیت کی خوبیوں سے رسول اللہ ﷺ بھی واقف تھے اور آپؓ کی صلاحیتوں سے اسلام کو بے پناہ فائدہ حاصل ہو سکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کو منتخب فرمالیا۔ یہ سیدنا عمرؓ کی خوش بختی تھی کہ سرور کائنات ﷺ نے آپؓ کو اپنی مصاحبت کے لئے چُن لیا اسی لئے آپؓ کو مرادِ نبوت کہا جاتا ہے۔

۱۰:۔ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ شخصیت:

سیدنا عمر فاروقؓ جس طرح مرادِ نبوت (ﷺ) تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بھی پسندیدہ شخصیت تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جب اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائی کہ اے اللہ! اسلام کو عمرو بن ہشام یا عمر بن الخطاب کے ذریعے تقویت عطا فرما، ان دونوں میں سے جو بھی تجھے محبوب ہو، اسے مشرف بہ اسلام فرما۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبوب اور پسندیدہ شخصیت سیدنا عمر فاروقؓ تھے اس لئے انہیں قبولِ اسلام کی توفیق ملی اور اس محبوبیت کا

اظہار اس وقت ہوا جب آپ ؓ کی رائے کی موافقت میں قرآنی آیات کا نزول ہوا۔

مذکورہ عوامل سیدنا عمر فاروق ؓ کی فقہی و اجتہادی بصیرت کے ارتقاء و بلندی کا باعث بنے۔

عہد رسالت ﷺ، عہد صدیقی ؓ اور خود اپنے دورِ خلافت کے سارے واقعات میں آپ ؓ کی شخصیت پر ان عوامل کے مرتب شدہ اثرات پورے عروج پر نظر آتے ہیں۔ سارے واقعات میں ان عوامل کے چھوڑے ہوئے اثرات آپ ؓ کی شخصیت میں کھل کر اور پوری طرح نکھر کر سامنے آتے ہیں۔

پہلا باب حواشی

فصل اوّل

۱-ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، (دار صادر للطباعۃ والنشر، بیروت، ۱۳۷۶ھ)، ۳/ ۲۶۹-۲۷۰

۲-ابن عساکر: تارخ دمشق الکبیر، (دارالمسیرۃ، بیروت، ۱۳۹۹ھ)، ۲/ ۳۴۵

۳-ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، ۳/ ۲۶۵

۴-شبلی نعمانی: الفاروق، (حذیفہ اکیڈمی، لاہور، بدون تاریخ)، ۳۶

۵-ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، ۳/ ۲۶۶

۶-ابن جوزی: سیدنا عمرؓ ابن الخطاب، (نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۳ء)، ۱۸

۷-شبلی نعمانی: الفاروق، ۳۶

۸-ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، ۳/ ۲۶۷

۹-بلاذری: فتوح البلدان، دارالنشر للجامعین، بیروت، ۱۹۸۷ء، ۴۷۱

۱۰-ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، ۳/ ۲۷۰

۱۱-ترمذی: الجامع، (دارالکتاب العربی، بیروت، بدون تاریخ)، ابواب المناقب، باب مناقب عمرؓ، ۲/ ۲۰۹

۱۲-الحدید ۵۷: ۱

۱۳-الحدید ۵۷: ۲۱

۱۴-ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ، (مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۳۷۵ھ)، ۲/ ۲۵۵

۱۵-محمد حسین ھیکل: سیدنا حضرت عمر فاروق، مترجم: محمد مسعود عبدہ، الفیصل، لاہور، ۸۲

۱۶-احمد بن حنبل: مسند، (المکتب الاسلامی المطباعۃ والنشر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)، ۱/ ۱۷

۱۷-ابن حجر العسقلانی: فتح الباری بشرح صحیح بخاری، (المطبعۃ السلفیہ، القاہرہ، ۱۳۸۰ھ)، ۷/ ۴۸

۱۸-ابن عبد ربہ الاندلسی: الاعقد الفرید، (دارالکتاب العربیہ، بدون ذکر المدینہ، ۱۳۸۴ھ)، ۱/ ۱۷۷

۱۹-دارمی: سنن، (داراحیاء السنۃ النبویۃ، بیروت، بدون تاریخ)، ۶۲

۲۰-شبلی نعمانی: الفاروق، ۳۷

۲۱-ایضاً، ۳۸

۲۲-جاحظ: البیان والتبیین، (موسسۃ الخانجی، قاھرہ، ۱۳۶۷ھ) ۱/ ۹۷

۲۳-ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، ۱/ ۲۳۵

۲۴-ابن عبدالبر: الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، (مطبعۃ دائرۃ المعارف، حیدرآباد (دکن)، ۱۳۳۶ھ)، ۲/ ۴۱۰

فصل دوم

۲۵-ترمذی: الجامع، ابواب المناقب، باب مناقب عمرؓ، ۲/ ۲۰۹

۲۶-بخاری، الجامع الصحیح، (قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۳۸۱ھ) کتاب المناقب، باب مناقب عمرؓ، ۱/ ۵۲۱

۲۷-ایضاً

۲۸-ایضاً

۲۹-ترمذی: الجامع، ابواب المناقب، باب مناقب عمرؓ، ۲/ ۲۱۰

۳۰-نووی: شرح صحیح مسلم، (اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ) ۲/ ۲۷۶

۳۱-فتح الباری بشرح صحیح بخاری، ۷/ ۵۰

۳۲-بنی اسرائیل ۱۷: ۶۵

۳۳-بخاری: الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب مناقب عمرؓ، ۱/ ۵۲۰

۳۴-ترمذی: الجامع، ابواب المناقب، باب مناقب عمرؓ، ۲/ ۲۱۰

۳۵-مسلم: الجامع الصحیح، (قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۵۶ء)، ابواب المناقب، باب مناقب عمرؓ، ۲/ ۲۷۴

۳۶-ترمذی: الجامع، ابواب المناقب، باب مناقب عمرؓ، ۲/ ۲۰۹

۳۷-مسلم: الجامع الصحیح، ابواب المناقب، باب مناقب عمرؓ، ۲/ ۲۷۴

فصل سوم

۳۸-ترمذی: الجامع، ابواب المناقب، باب مناقب عمرؓ، ۲/ ۲۰۹

۳۹-ایضاً

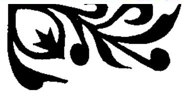
۴۰-ایضاً

۴۱-ابن جوزی: سیرۃ سیدنا عمرؓ بن الخطاب، ۱۵۰

۴۲-بخاری: الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب مناقب عمرؓ، ۱/ ۵۲۰

۴۳-ایضاً

۴۴-ترمذی: الجامع، ابواب المناقب، باب مناقب عمرؓ، ۲/ ۲۱۰




باب دوم

عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشورے اور اجتہادی آراء




فصل اوّل:

سیدنا عمرؓ کی وہ اجتہادی آراء جن کی موافقت میں قرآنی آیات کا نزول ہوا

ایک انسان کی رائے کا انسانوں کے ایک بڑے گروہ کی آراء کے موافق ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ انسان فضل وکمال والا ہے، لیکن وہ شخص کتنا عظیم ہے جس کی رائے وحی الٰہی کے مطابق ہو۔ سیدنا عمرؓ وہ شخصیت ہیں کہ ۱۶ مقامات ایسے ہیں جن میں قرآن مجید نے آپؓ کے اجتہاد سے اتفاق کیا۔ یعنی ان مسائل میں وحی کا فیصلہ وہی تھا جو سیدنا عمرؓ کا خیال تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمرؓ کے دل کو حق کا مرکز بنایا ہے اور جس راستے پر آپؓ چلتے ہیں شیطان اس راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِہٖ"(۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان اور اُن کے دل کو حق کا مرکز بنایا ہے۔

اس لئے سیدنا عمرؓ کے اجتہادات کی اسلامی نقطۂ نگاہ سے ایک خاص اہمیت اور قدر و قیمت ہے اور ان پر صرف اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو برتری حاصل ہے۔

وہ آیات جو سیدنا عمرؓ کی رائے کے مطابق نازل ہوئیں:

شاہ ولی اللہ نے "ازالۃ الخفاء" میں اُن سولہ آیات کا ذکر کیا ہے جو سیدنا عمرؓ کی رائے کے مطابق نازل ہوئیں اُن آیات کی تفصیل یہ ہے:

۱:- آیت حجاب کا نزول:

ارشادِ ربانی ہے:

"وَإِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط
ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ط "(۲)

نبی (ﷺ) کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو یہ تمہارے اور اُن کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔

(ا) آیت مذکورہ کا شانِ نزول:

مذکورہ آیہ کریمہ کے شان نزول کے بارے سیدنا انسؓ سے مروی ہے:

"عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَدْخُلُ عَلَيْكَ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَلَوْ أَمَرْتَ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْحِجَابِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ آيَةَ الْحِجَابِ"(۳)

سیدنا انسؓ سے مروی ہے کہ سیدنا عمر فاروقؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کے پاس نیک و بد ہر طرح کے آدمی آتے جاتے ہیں اگر آپ ﷺ ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم دے دیں تو بہتر معلوم ہوتا ہے۔ اس پر یہ آیت حجاب نازل ہوئی۔

(ب) حکم ساری اُمت کے لئے عام ہے:

مذکورہ آیہ مبارکہ میں حکم اگرچہ خاص ازواج مطہرات کے لئے ہے لیکن ساری اُمت کے لئے عام ہے حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں سے اگر دوسرے مردوں کو استعمال کی اشیاء برتن، کپڑے وغیرہ لینا ناگزیر ہو تو سامنے آ کر نہ لیں بلکہ پردہ کے پیچھے سے مانگیں۔ اور فرمایا کہ یہ پردہ کا حکم مردوں اور عورتوں دونوں کے دلوں کو نفسانی وساوس سے پاک رکھنے کے لئے دیا گیا ہے۔

سیدنا عمرؓ کی فطرت سلیمہ:

سیدنا عمرؓ شروع ہی سے نیک فطرت کے مالک تھے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے دُعا کے ذریعے انہیں

اللہ تعالی سے مانگا۔ قبول اسلام کے بعد آپ ؓ شعائر اسلام کے ساتھ والہانہ محبت کرتے اور ان میں کوئی کمی برداشت نہ کرتے۔ آپ ؓ ہر ایسی بات کی بیخ کنی چاہتے جس سے دین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا۔ حجاب کا مسئلہ بھی ان میں سے ایک تھا مردوزن کا آزادانہ میل جول فساد کا باعث بن سکتا ہے اسی لئے سیدنا عمرؓ بارگاہِ رسالت ﷺ میں درخواست پیش کرتے کہ یہ آزادانہ میل جول نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیہ کریمہ میں پردے کے متعلق حکم نازل فرمایا۔

عورتوں کا مردوں کے ساتھ اختلاط:

سیدنا عمرؓ اس امر کو ناپسند کرتے تھے کہ عورتیں مردوں کی نظروں کا ہدف بنیں اور اجنبی مردوں کے ساتھ ملیں جلیں، کیونکہ اس سے فتنہ پیدا ہوتا ہے اسی لئے آپ ؓ شدید ضرورت کے بغیر عورتوں کا گھر سے نکلنا ناپسند کرتے تھے۔ آپ ؓ کا قول ہے کہ عورتوں پر لباس کی کمی سے قابو حاصل کرو۔ کیونکہ اگر عورتوں کے پاس کپڑا اور سامانِ زینت زیادہ ہوگا تو وہ باہر نکلنا پسند کریں گی۔ (۴)

سیدنا عمرؓ عبادات کے مقامات پر بھی عورت اور مرد کے اختلاط کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی مانند گردش کرتا رہتا ہے اسی لئے آپ ؓ نے عورتوں کے لئے مسجد میں علیحدہ دروازہ مخصوص کردیا کہ اسی سے آمدورفت رکھیں اور مردوں کو عورتوں کے دروازے سے آنے جانے سے منع کردیا۔ (۵)

۲:۔ مقام ابراہیم (علیہ السلام) کو نماز کی جگہ بنانا:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ“(۶)

اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ

مذکورہ آیات میں مقامِ ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم مبارک کا بطور معجزہ نشان پڑ گیا تھا اور جس کو تعمیر بیت اللہ کے وقت آپ علیہ السلام نے استعمال کیا تھا۔

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں نے اس پتھر میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کا نشان دیکھا ہے

مگر لوگوں کے بکثرت چھونے اور ہاتھ لگانے سے اب وہ نشان ہلکا پڑ گیا ہے۔(۷)

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے مقامِ ابراہیم کی تفسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ پورا حرم مقام ابراہیم ہے۔ ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ طواف کعبہ کی دو رکعتیں جن کو مقام ابراہیم پر پڑھنے کا حکم اس آیت میں ہے اس حکم کی تعمیل پورے حرم میں کسی جگہ بھی یہ رکعتیں پڑھنے سے ہو جائے گی اس پر اکثر فقہاء امت متفق ہیں۔(۸)

۳:-ازواجِ مطہرات کے بارے آیات کا نزول:

(ا)ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ"(۹)

اگر پیغمبر علیہ السلام تم عورتوں کو طلاق دے دیں گے تو اُن کا رب بہت جلد تمہارے بدلے اُن علیہ السلام کو تم سے اچھی بیویاں دے دے گا۔

۴:-(ب)ارشادِ باری تعالیٰ:

"وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ"(۱۰)

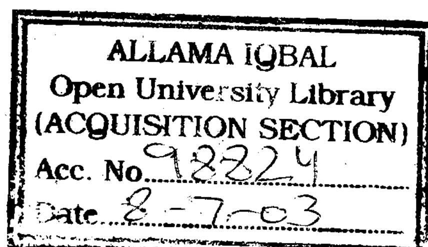
اور اگر پیغمبر (علیہ السلام کی مرضی) کے خلاف تم باہم تعاون کرتی رہیں تو (یاد رکھو) پیغمبر علیہ السلام کا رفیق اللہ ہے اور جبریل ہے اور نیک مسلمان ہیں۔

مذکورہ آیات کا واقعہ نزول:

یہ آیہ کریمہ سورۃ التحریم کی ہیں اور ان آیات کو سمجھنے کے لئے درج ذیل واقعات کا جاننا ضروری ہے۔

ا:-شہد کا قصہ

ب:-حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کا قصہ



ج:-حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے راز کا اظہار۔

د:-ازواج مطہرات کی طرف سے وسعتِ نفقہ کی درخواست۔

ا:-شہد کا قصہ:

رسول اللہ ﷺ کا معمول شریف تھا کہ عصر کے بعد کھڑے کھڑے سب ازواج مطہرات کے پاس اُن کی خبر گیری کے لئے تشریف لاتے تھے۔

حضرت عطاءؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبید بن عمیرؒ نے کہا میں نے خود سنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ ام المومنین حضرت زینب بن جحشؓ کے پاس ٹھہر کر شہد کا شربت پیا کرتے تھے میں نے اور ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے باہم مشورہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں سے کسی کے پاس تشریف لائیں تو وہ کہے کہ مجھے کچھ آپ ﷺ کی طرف سے مغافیر کی بو محسوس ہو رہی ہے چنانچہ جب اُنہوں نے حسب مشاورت اس طرح کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا آئندہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر شہد کا شرب ہرگز نہ پیوں گا۔(۱۱)

ب:-حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کا قصہ:

رسول اللہ ﷺ ازواجِ مطہرات کی باریاں بانٹ دیا کرتے تھے ایک بار جب حضرت حفصہ رضی اللہ کی باری تھی تو وہ آپ ﷺ کی اجازت سے میکے گئیں تو حضور ﷺ نے اپنی باندی حضرت ماریہ قبطیہ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہی طلب فرمایا ماریہؓ آ گئیں تو آپ ﷺ نے اُن سے قربت کی جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو انہیں بہت ناگوار گزرا اور آنحضرت ﷺ کے سامنے شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم خاموش ہو جاؤ تمہاری خوشنودی کی خاطر میں نے اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔(۱۲)

ج:-حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے راز کا اظہار:

اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اس بات کا ذکر کسی سے نہیں کرنا لیکن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس راز کا اظہار فرما دیا۔(۱۳)

د:-ازواج مطہرات کی طرف سے وسعتِ نفقہ کی درخواست:

تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہے کہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ ہمارا قریش کا گروہ اپنی عورتوں پر غالب رہتا تھا لیکن جب ہم مدینہ میں آئے تو ہم نے ایسے لوگ پائے جن کی عورتیں ان پر غالب تھیں ہماری عورتیں بھی انصاری عورتوں کی خو اور خصلت سیکھنے لگیں۔

ایک روز میں اپنی عورت پر چلایا اس نے بھی ویسا ہی چلا کر مجھے جواب دیا مجھے اس کا جواب دینا غیر معمولی معلوم ہوا اس نے کہا ''آپ کو میرا جواب دینا کیوں ناگوار گزرا رسول اللہ ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ کو جواب دیتی ہیں بلکہ بعض عورتیں تو آج دن بھر شام تک آپ ﷺ کو چھوڑے رہی ہیں''، اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض ازواج مطہراتؓ وسعت نفقہ کی درخواست کر رہی تھیں جس کی وجہ سے آپ ﷺ سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور ایک ماہ تک ازواجِ مطہرات سے کنارہ کش رہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنی اپنی بیٹیوں یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سمجھایا کہ ہرگز کبھی رسول اللہ ﷺ سے اس چیز کی طلب گار نہ ہوں جو آپ ﷺ کے پاس نہ ہو کیونکہ کنارہ کشی کے ایام میں حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا تھا کہ روم اور فارس کو اللہ نے فراخی اور دنیا عطا کی ہے باوجود یہ کہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے اس وقت آپ ﷺ تکیہ لگائے ہوئے تھے میری بات سنتے ہیں بیٹھ گئے اور فرمایا ''ابن خطاب کیا تم اس خیال میں ہو ان لوگوں کو تو اللہ نے ان کی عمدہ چیزیں دنیا میں دے دیں ہیں اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں'' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے دعا مغفرت فرمایئے۔ (۱۴)

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سورہ تحریم اور ان آیات میں بیان ہونے والے مباحث کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک بڑی اہم سورہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے ازواجِ مطہرات کے متعلق بعض واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اہم مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے:

۱:-حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے حدود مقرر کرنے کے اختیارات قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ نبی بحیثیت نبی اگر کسی چیز کو حرام یا حلال قرار دے سکتا ہے تو صرف اس صورت میں جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا اشارہ ہو۔

ب:- انسانی معاشرے میں نبی کا مقام انتہائی نازک مقام ہے۔ایک معمولی بات بھی جو کسی دوسرے انسان کی زندگی میں پیش آئے تو زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، نبی کی زندگی میں اگر پیش آجائے تو وہ قانون کی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کی زندگی پر ایسی کڑی نگرانی رکھی گئی ہے کہ ان کا کوئی ادنیٰ اقدام بھی منشاءالٰہی سے ہٹا ہوا نہیں ہو۔

ج:- یہ چیز قطعی طور پر ہمارے دل میں یہ اطمینان پیدا کر دیتی ہے کہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں جو اعمال وافعال اور جو احکام وہدایات بھی ہمیں اب ملتے ہیں وہ سراسر برحق ہیں۔اللہ تعالیٰ کی مرضی سے پوری مطابقت رکھتے ہیں اور ہم پورے اعتماد کے ساتھ ان سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

د:- نبی مرضی الٰہی کا مکمل نمائندہ ہوتا ہے اور اس کی ادنیٰ سی بھی لغزش کو بھی اللہ نے اصلاح کئے بغیر نہیں چھوڑا۔جس سے ہمیں یہ اطمینان نصیب ہو جاتا ہے کہ نبی کا چھوڑا ہوا اسوہ حسنیٰ اللہ کی مرضی کی پوری نمائندگی کر رہا ہے۔اسی طرح صحابہ کرامؓ اور ازواج مطہراتؓ کو جو مقام ومرتبہ حاصل ہوا ہے اس وجہ سے حاصل ہوا کہ اللہ کی رہنمائی اور اللہ کے رسول ﷺ کی تربیت نے ان کو انسانیت کا بہترین نمونہ بنا دیا تھا۔(۱۵)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ عورتوں کے معاملہ میں آپ ﷺ کے لئے کیا دشواری ہے اگر آپ ﷺ ان کو طلاق دے دیں گے تو آپ ﷺ کا کچھ نقصان نہ ہوگا کیونکہ اللہ آپ ﷺ کے ساتھ ہے اور فرشتے اور جبریلؑ ومیکائیلؑ اور ابو بکرؓ اور مومن بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہیں اللہ کا شکر ہے کہ میں نے جب کوئی بات کہی تو اللہ سے مجھے یہ امید رہی کہ وہ میری بات کو سچا کر دے گا۔چنانچہ میرے اس کلام کے بعد مذکورہ آیات کا نزول ہوا۔(۱۶)

۵:- غلط خبر کے مشہور کرنے کے بارے میں آیت اور سیدنا عمرؓ کا ردِ عمل:

اس بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَاِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَا عُوْا بِهٖ ط"(۱۷)

اور جب ان کے پاس کوئی امن کی خبر آتی ہے یا خوف کی تو اسے مشہور
کر دیتے ہیں۔

شانِ نزول:

حضرت ابن عباسؓ، ضحاکؒ اور ابو معاذؒ کے نزدیک یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکثر حضرات کے نزدیک یہ آیت ضعیف اور کمزور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی۔(۱۸)

علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت سے متعلق واقعات نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس آیت کے شانِ نزول میں حضرت عمر بن خطابؓ کی حدیث کو ذکر کرنا چاہئے وہ یہ کہ حضرت عمرؓ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے تو وہ اپنے گھر سے مسجد کی طرف آئے جب دروازہ پر پہنچے تو آپؓ نے سنا کہ مسجد کے اندر لوگوں میں بھی یہی ذکر ہو رہا ہے یہ دیکھ کر آپؓ نے کہا کہ اس خبر کی تصدیق کرنی چاہئے۔ چنانچہ آپؓ رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ کیا آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ تحقیق کرنے کے بعد میں مسجد کی طرف واپس آیا اور دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی، جو آپ لوگ کہہ رہے ہیں غلط ہے تو اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔(۱۹)

۶:- اسیرانِ بدر کا معاملہ اور سیدنا عمرؓ کی رائے:

غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ"(۲۰)

کسی نبی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ
وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔

شانِ نزول:

اس آیہ کریمہ کا تعلق غزوہ بدر میں اسیر ہونے والے قیدیوں کے متعلق ہے یہ غزوہ ۲ ہجری میں پیش آیا اور اُس وقت تک جہاد سے متعلق احکام کی تفصیل قرآن میں نازل نہیں ہوئی تھی جہاد میں اگر مالِ غنیمت ہاتھ آ جائے تو اُسے کیا کیا جائے؟ دشمن کے سپاہی اپنے قبضہ میں آ جائیں تو ان کو گرفتار کرنا جائز ہے یا نہیں اور گرفتار کر لیا جائے تو پھر ان کے ساتھ معاملہ کیا کرنا چاہیے۔ (۲۱)

مال غنیمت کے متعلق پچھلے تمام انبیاء کی شریعتوں میں قانون یہ تھا کہ مسلمانوں کو اُس سے نفع اُٹھانا اور استعمال کرنا حلال نہیں تھا۔ لیکن اُمتِ محمدیہ (علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام) کے لئے اسے جائز قرار دیا گیا۔ مگر غزوہ بدر کے واقعہ تک اس کے متعلق کوئی وحی رسول اللہ ﷺ پر اس کے حلال ہونے کے متعلق نازل نہیں ہوئی تھی۔

غزوہ بدر میں مسلمانوں کو عظیم فتح حاصل ہوئی دشمن نے مال بھی چھوڑا جو بطور غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور ان کے بڑے بڑے ستر سردار مسلمانوں نے گرفتار کر لئے۔ مگر ان دونوں چیزوں کے جائز ہونے کی صراحت کسی وحی الٰہی کے ذریعہ ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔

صحیح ابن حبان میں بروایت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ قیدیوں کی بابت حضرت جبرئیل رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور یہ حکم سنایا کہ آپ ﷺ صحابہ کرام کو دو چیزوں کا اختیار دے دیجئے:

اوّل: قیدیوں کو قتل کر کے دشمن کی شوکت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں۔

دوم: اُن کو فدیہ یعنی کچھ مال لے کر چھوڑ دیا جائے۔ (۲۲)

سیدنا صدیق اکبرؓ اور اکثر صحابہ کرامؓ نے یہ رائے دی کہ ان قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے ہوسکتا ہے کہ یہ مسلمان ہو جائیں اور فدیہ سے مسلمانوں کی مالی حالت بھی بہتر ہو جائے گی۔ دوسری طرف سیدنا عمرؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ وغیرہ چند حضرات نے اس رائے سے اختلاف کر کے ان سب کو قتل کر دینے کی رائے دی کیونکہ یہ گمان غالب ہے کہ یہ لوگ واپس ہو کر پہلے سے زیادہ مسلمانوں کے خلاف سرگرمیاں کریں گے۔

رسول کریم ﷺ جو رحمۃ العالمین ہو کر تشریف لائے تھے اور رحمت مجسم تھے صحابہ کرامؓ کی دو آراء دیکھ کر آپ ﷺ نے اُس رائے کو قبول کر لیا جس میں قیدیوں کے معاملہ میں رحمت اور سہولت تھی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا

جائے لیکن اللہ تعالی نے اس رائے کو پسند نہیں فرمایا اور سیدنا عمرؓ کی رائے کے مواقق آیت کانزول ہوا۔(۲۳)

۷:۔ مال غنیمت کے بارے پہلے سے لکھی ہوئی بات:

اس بارے میں ارشادِ باری تعالی ہے:

"لَوْ لَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّکُمْ فِیْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ"(۲۴)

اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے لیا ہے اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔

نوشتہ تقدیر:

ترمذی میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مال غنیمت تم سے پہلے کسی قوم کسی امت کے لئے حلال نہیں تھا۔ بدر کے موقع پر جب مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے حالانکہ ابھی تک ان کے لئے مالِ غنیمت حلال نہیں کیا گیا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ مالِ غنیمت کے حلال ہونے کا حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں کا یہ اقدام ایسا گناہ تھا کہ اس پر عذاب آ جانا چاہئے تھا لیکن چونکہ اللہ تعالی کا یہ حکم لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا کہ اس اُمت کے لئے مالِ غنیمت حلال کیا جائے گا اس لئے مسلمانوں کی اس خطاء پر عذاب نازل نہیں کیا گیا تھا۔(۲۵)

محمد حسین ھیکل لکھتے ہیں:

اس طرح بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ کی رائے نے ان کو الہامی شخصیت ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا جس طرح کہ اس سے قبل اذان کے مسئلے میں ظاہر ہو چکا تھا۔ اس سے سید عالم ﷺ اور مسلمانوں کی نظر میں حضرت عمر فاروقؓ کی حیثیت بلند اور آپؓ کی رائے وقیع ہوگئی۔(۲۶)

۸:۔ منافق کی نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں:

اس بارے میں سورہ توبہ کی دو آیات ہیں:

(i) "اِن تَستَغفِرْ لَهُمْ سَبعِينَ مَرّةً فَلنْ يّغفِرَ اللهُ لَهُمْ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللهِ وَ رَسُوْلِهٖ ط وَاللهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ٥"(٢٧)

آپ ﷺ ان کے لئے بخشش مانگیں یا ان کے لئے بخشش نہ مانگیں (برابر ہے) اگر آپ ﷺ اُن کے لئے ستر بار (بھی) بخشش مانگیں اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا، یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کفر کیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

(ii) "وَ لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ط اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَا تُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ ٥"(٢٨)

ان میں سے کوئی مرجائے تو کبھی اس پر نماز (جنازہ) نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں، بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کفر کیا اور وہ (اس حال میں) مرے جبکہ وہ نافرمان تھے۔

شانِ نزول:

احادیث صحیحہ سے باتفاق امت ثابت ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی منافق کی موت اور اس پر نماز جنازہ کے متعلق نازل ہوئی، روایات سے ثابت ہے کہ اس کے جنازہ پر رسول ﷺ نے نماز پڑھی، پڑھنے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور اس کے بعد آپ ﷺ نے کبھی کسی منافق کی نماز نہیں پڑھی۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی روایت سے واقعۂ نزول کی یہ تفصیل ہے کہ جب عبداللہ بن أبی ابن سلول مر گیا تو اس کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو مخلص مسلمان اور صحابی تھے وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ ﷺ اپنا قمیض عطا فرمائیں تاکہ میں اپنے باپ کو اس کا کفن پہناؤں،

رسول اللہ ﷺ نے اپنا قمیص مبارک عطا فرمادیا، پھر حضرت عبداللہؓ نے یہ بھی درخواست لی کہ آپؐ اس کے جنازے کی نماز بھی پڑھائیں۔ آپ ﷺ نے قبول فرمالیا اور نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہوگئے تو حضرت عمر بن خطابؓ نے آپ ﷺ کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا کہ آپ ﷺ اس منافق کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کی نماز جنازہ سے منع فرمادیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ میں دعائے مغفرت کروں یا نہ کروں اور آیت میں جو ستر مرتبہ استغفار پر بھی مغفرت نہ ہونے کا ذکر ہے تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرسکتا ہوں۔ آیت سے مراد سورہ توبہ کی آیت ۸۰ ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ نماز کے بعد مذکورہ آیت ۸۴ نازل ہوئی چنانچہ اس کے بعد آپ ﷺ نے کبھی کسی منافق کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ (۲۹)

۹:- آیت کے ساتھ مزید آیت کا اضافہ:

سورہ المؤمنون میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ط" (۳۰)

اور البتہ ہم نے انسان کو چنی ہوئی مٹی سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے مضبوط جگہ میں نطفہ ٹھہرایا پھر ہم نے نطفے کو جما ہوا خون بنایا پھر ہم نے بنایا جمے ہوئے خون کو بوٹی، پھر ہم نے بوٹی سے ہڈیاں بنائیں، پھر ہم نے ہڈیوں کو گوشت پہنایا پھر ہم نے اسے نئی صورت میں اُٹھا کر کھڑا کیا، پس اللہ بابرکت ہے بہترین پیدا کرنے والا۔

شانِ نزول:

علامہ سیوطیؒ ''الاتقان'' میں لکھتے ہیں کہ ابن ابی حاتمؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے انہوں نے بیان کیا کہ سیدنا عمرؓ نے کہا میں نے اپنے پروردگار کی یا میرے پروردگار نے میری چار باتوں میں موافقت کی ہے یہ آیت نازل ہوئی ''ولقد خلقنا الانسان......الخ اور جب یہ آیات نازل ہوئیں تو میں نے کہا ''فتبرک اللہ احسن الخلقین'' پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی یہی آیت نازل ہوئی۔(۳۱)

۱۰:۔سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے آیات کا نزول:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَ لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ ''(۳۲)

جب تم نے وہ سنا کیوں نہ کہا کہ ہمارے لئے زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات کہیں (اے اللہ) تو پاک ہے، یہ بڑا بہتان ہے۔

قصہ افک و بہتان:

صحیحین اور دوسری کتبِ حدیث میں یہ واقعہ بہت تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ بن المصطلق میں جس کو غزوہ مریسیع بھی کہا جاتا ہے ۶ ہجری میں تشریف لے گئے تو امہات المومنین میں سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں۔غزوہ سے فراغت اور مدینہ طیبہ کی طرف واپسی میں کچھ ایسا واقعہ پیش آ گیا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا قافلے سے پیچھے رہ گئیں آپ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لئے جنگل کی طرف گئیں وہاں اتفاق سے اُن کا ہار ٹوٹ کر گر گیا اُس کو تلاش کرتے دیر ہوگئی واپس تشریف لائیں تو قافلہ جا چکا تھا آپ رضی اللہ عنہا وہیں چادر اوڑھ کر بیٹھ گئیں اور خیال کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ اور رفقاء کو یہ معلوم ہوگا کہ میں اپنے اونٹ کے ہودج میں نہیں ہوں تو مجھے تلاش کرنے کے لئے یہاں پہنچیں گے۔ کیونکہ غلطی سے صحابہ نے خالی ہودج اس خیال سے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہودج میں تشریف رکھتی ہیں اونٹ

پر رکھ دیا تھا۔

حضرت صفوان بن معطل صحابی رضی اللہ عنہ جن کو رسول اللہ ﷺ نے اسی خدمت کے لئے مقرر کیا ہوا تھا کہ وہ قافلہ کے پیچھے رہیں اور قافلہ روانہ ہونے کے بعد گری پڑی کوئی چیز رہ گئی ہو تو اس کو اٹھا کر محفوظ کر لیں۔ وہ صبح کے وقت اس جگہ پہنچے ابھی روشنی پوری نہ تھی اتنا دیکھا کہ کوئی آدمی پڑا سو رہا ہے قریب آئے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا کیونکہ انہوں نے پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے اُن کو دیکھا تھا۔ پہچاننے کے بعد انتہائی افسوس کے ساتھ ان کی زبان سے انا للہ و انا الیہ راجعون نکلا۔ یہ کلمہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے کان میں پڑا تو آنکھ کھل گئی اور چہرہ ڈھانپ لیا۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہا نے اپنا اونٹ قریب لا کر بٹھا دیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اُس پر سوار ہو گئیں اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر پیدل چلنے لگے یہاں تک کہ قافلہ سے مل گئے۔

عبداللہ بن ابی بڑا خبیث منافق اور رسول اللہ ﷺ کا دشمن تھا اس کو ایک بات ہاتھ لگ گئی اور کم بخت نے واہی تباہی بکنا شروع کیا اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی سنی سنائی اس کا تذکرہ کرنے لگے۔ جیسے حضرت حسان رضی اللہ عنہ اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ مردوں میں سے اور حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں سے شامل تھے۔(۳۳)

جب اس منافق کے بہتان کا چرچا ہوا تو خود رسول اللہ ﷺ کو اس کا سخت صدمہ پہنچا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور عام مسلمانوں کو بھی اس سے سخت رنج و افسوس ہوا۔ ایک مہینہ تک یہی قصہ چلتا رہا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے براءت اور بہتان باندھنے یا اس میں شریک ہونے والوں کی مذمت میں سورہ نور کی دس آیات جس میں مذکورہ آیت بھی شامل ہے نازل فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ نے جب اس واقعہ کے بارے میں حضرت عمرؓ سے مشورہ طلب کیا جبکہ ان کے حق میں تہمت لگانے والوں نے بکواس کی تھی تو سیدنا عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس کو آپ ﷺ کی زوجہ کس نے بنایا؟ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا تو پھر کیا آپ ﷺ یہ گمان کر سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کے رب نے اس بارے میں دھوکے کی بات کی۔ یا اللہ تو ہر عیب سے پاک ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمرؓ کی موافقت میں وہی نازل فرمائی یعنی سُبۡحٰنَکَ ھٰذَا بُھۡتَانٌ عَظِیۡمٌ۔(۳۴)

۱۱:-سیدنا جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں:

" مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ " (۳۵)

جو دشمن ہو اللہ کا، اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا تو بے شک اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

شان نزول:

اس آیہ کریمہ کے بارے میں علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلی سے روایت کی گئی ہے کہ ایک یہودی سیدنا عمرؓ کو ملا اور اُس نے کہا" بے شک جبریل جس کا ذکر آپؓ کے دوست کرتے ہیں یعنی رسول اللہ ﷺ، وہ ہمارا دشمن ہے" سیدنا عمرؓ نے اُس یہودی کو مذکورہ آیت پڑھ کر سنائی۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں پس یہ آیت سیدنا عمرؓ کی زبان پر نازل ہوئی یعنی بالکل انہیں کے کہنے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا۔ (۳٦)

۱۲: حرمتِ شراب کے بارے میں سیدنا عمرؓ کی قرآن سے موافقت:

حرمتِ شراب کے بارے میں احکام تدریجاً نازل ہوئے کیونکہ شریعتِ اسلام نے احکام میں انسانی جذبات کو ملحوظ رکھا ہے تاکہ انسان کو ان کے اتباع میں زیادہ تکلیف نہ ہو۔ آغازِ اسلام میں جاہلیت کی عام رسوم کی طرح شراب خوری عام تھی جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ میں بھی شراب اور قمار یعنی جوا کھیلنے کا رواج تھا عام لوگوں کی نظر میں ان دونوں چیزوں کے ظاہری فوائد تھے ان کی خرابیاں ان کی نظر میں نہیں تھیں۔ لیکن یہ بات بھی فطری ہے کہ ہر قوم اور ہر خطہ میں کچھ اہل عقل بھی ہوتے ہیں جو طبیعت پر عقل کو غالب رکھتے ہیں۔ کوئی طبعی خواہش اگر عقل کے خلاف ہو تو وہ اس کے خواہش کے پاس نہیں جاتے اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کا مقام و مرتبہ تو بہت ہی عالی تھا کہ جو چیز کسی وقت حرام ہونے والی تھی آپ ﷺ کی طبیعت اس سے پہلے ہی نفرت کرتی تھی صحابہ کرامؓ میں بھی کچھ ایسی شخصیات تھیں جنہوں نے حلال ہونے کے زمانے میں بھی کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد صحابہ کرامؓ کو ان خرابیوں کا زیادہ احساس ہوا۔ ان حضرات

صحابہ ؓ میں سیدنا عمر ؓ پیش پیش تھے آپ ؓ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ شراب اور قمار انسان کی عقل کو بھی خراب کرتے ہیں اور مال بھی برباد کرتے ہیں ان کے بارے میں آپ ﷺ کا کیا ارشاد ہے۔(۳۷)

بعض اوقات یہودی اور منافقین اوس خزرج کو بھڑکانے، ان کے پرانے جھگڑوں کو ہوا دینے کے لئے اکثر وا وقات شراب نوشی کے اوقات سے فائدہ حاصل کرتے تھے۔(۳۸)

اس پر درج ذیل آیہ کریمہ شراب اور جوئے کے بارے میں یعنی ان کو روکنے کے بارے میں ابتدائی حکم کے طور پر نازل ہوئی:

"یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ط قُلْ فِیْھِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُھُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا ط"(۳۹)

وہ آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں آپ ﷺ کہ دیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدے (بھی) ہیں (لیکن) ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت بڑا ہے۔

مذکورہ آیت میں بتلایا گیا ہے کہ شراب اور جوئے میں اگرچہ لوگوں کے کچھ ظاہری فوائد ہیں لیکن ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو ان کے منافع اور فوائد سے بڑھی ہوئی ہیں اور گناہ کی باتوں سے وہ چیزیں مراد ہیں جو کسی گناہ کا سبب بن جائیں، مثلاً شراب میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ عقل جو کمالات اور شرفِ انسانی کا اصل ہے وہ زائل ہو جاتی ہے کیونکہ عقل ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسانوں کو بُرے کاموں سے روکتی ہے جب وہ نہ رہی تو ہر برے کام کے لئے راستہ ہموار ہو گیا۔(۴۰)

چونکہ اس آیہ کریمہ میں شراب نوشی کی ممانعت نہیں تھی اس لئے بعض مسلمانوں کی راتیں اب بھی بادہ و جام میں گزرتی ہیں وہ جب نماز پڑھتے تو انہیں کچھ معلوم نہ تھا کہ کیا پڑھ رہے ہیں۔(۴۱)

ترمذی میں سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے ایک دفعہ سیدنا عبدالرحمن بن عوف ؓ نے بعض صحابہ کرام ؓ کی دعوت کی جس میں مے نوشی کا بھی انتظام تھا جب یہ سب حضرات کھا پی چکے تو

مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا اور حضرت علیؓ کو امام بنا دیا گیا ان سے نماز میں قل یآیھا الکفرون کی تلاوت میں بوجہ نشہ کے سخت غلطی ہوگئی۔(۴۲) سیدنا عمرؓ نے اس موقع پر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

''اے الہ العالمین شراب کے بارے میں ہمیں ہدایت دے اس میں مال اور جان اور عقل کا نقصان ہے۔''(۴۳)

شراب کے بارے میں دوسرا حکم یہ نازل ہوا:

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ '' (۴۴)

اے ایمان والو! تم نماز کے نزدیک نہ جاؤ جب تم نشہ (کی حالت میں) ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو (زبان سے) کہتے ہو۔

مذکورہ آیہ مبارکہ میں اوقاتِ نماز کے اندر شراب نوشی کو قطعی حرام قرار دیا گیا مگر باقی اوقات میں اجازت رہی جن حضرات صحابہ کرامؓ نے پہلے آیت نازل ہونے کے وقت شراب کو نہ چھوڑا تھا مذکورہ آیہ کریمہ کے نازل ہونے کے وقت شراب کو بالکل ترک کر دیا مگر چونکہ اوقاتِ نماز کے علاوہ شراب کی حرمت صاف طور پر ابھی تک نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے بعض حضرات نے اوقاتِ نماز کے علاوہ شراب نوشی جاری رکھی، یہاں تک کہ ایک اور واقعہ پیش آیا، حضرت عتبان بن مالکؓ نے چند صحابہ کرامؓ کی دعوت کی جن میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے۔ کھانے کے بعد حسبِ دستور شراب کا دور چلا، نشہ کی حالت میں عرب کی عام عادت کے مطابق شعر و شاعری اور اپنے اپنے مفاخر کا بیان شروع ہوا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں انصار مدینہ کی ہجو اور اپنی قوم کی مدح و ثناء تھی، اس پر ایک انصاری نوجوان کو غصہ آ گیا اور اونٹ کے جبڑے کی ہڈی حضرت سعدؓ کے سر پر دے ماری، جس سے ان کو شدید زخم آ گیا، حضرت سعدؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس انصاری نوجوان کی شکایت کی، اس وقت رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی ''اَللّٰھُمَّ بَیِّنْ لَنَا فِی الْخَمْرِ بَیَانًا شَافِیًا'' یعنی ''یا اللہ شراب کے بارے میں ہمیں کوئی واضح بیان اور قانون عطا فرما دے۔''(۴۵)

سیدنا عمرؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی شراب کے مطلقاً حرام ہونے کے بارے میں بارگاہِ

ایزدی میں دُعا فرمائی اس پر شراب کے متعلق تیسری آیت سورہ مائدہ کی مفصل نازل ہوئی جس میں شراب کو مطلقاً حرام قرار دے دیا گیا آیہ مبارکہ یہ ہے:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ o اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَ عَنِ الصَّلٰوۃِ ج فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ o" (۴۶)

اے ایمان والو! اس کے سوا نہیں کہ شراب اور جواء اور بت اور پانسے (فال کے تیر) ناپاک ہیں شیطانی کام ہیں سو ان سے بچو تاکہ فلاح (کامیابی اور نجات) پاؤ، اس کے سوا نہیں کہ شیطان چاہتا ہے کہ وہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے سے دشمنی ڈالے، اور تمہیں روکے اللہ کی یاد سے اور نماز سے پس کیا تم باز آؤ گے؟

۱۵:- کسی کے گھر جانے کے لئے اجازت طلب کرنا:

ارشادِ ربانی ہے:

" یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ط مِنْ قَبْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِّنَ الظَّھِیْرَۃِ وَ مِنْ بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ ط ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّکُمْ ط لَیْسَ عَلَیْکُمْ وَ لَا عَلَیْھِمْ جُنَاحٌ بَعْدَ ھُنَّ ط طَوّٰفُوْنَ عَلَیْکُمْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ط کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ ط وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ o" (۴۷)

اے ایمان والو! چاہیئے کہ تمہارے غلام (تمہارے پاس آنے کی) تم سے اجازت لیں اور وہ جو نہیں پہنچے تم میں سے (حد) شعور کو، تین وقت (یعنی) نمازِ فجر سے پہلے اور جب تم اپنے کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو دو پہر کو اور نمازِ عشاء کے بعد، تمہارے لئے (یہ) تین پردے (کے اوقات) ہیں، نہیں تم پر اور نہ اُن پر اُن کے علاوہ کوئی گناہ، تم میں سے بعض بعض کے پاس پھرا کرتے ہیں اسی طرح اللہ تمہارے لئے احکام واضح کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

شانِ نزول:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کے ایک غلام کو ظہر کے وقت سیدنا عمرؓ کے پاس بھیجا تا کہ اُن کو بلا لائے تو وہ اندر پہنچ گیا اور اس نے سیدنا عمرؓ کو ایسی حالت میں دیکھا کہ سیدنا عمرؓ کو اس کا اس حالت میں دیکھنا ناگوار ہوا تو آپؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو آنے کی اجازت طلب کرنے کے کچھ امر اور نہی فرما دے۔(۴۸)

تو اس پر یہ سورہ نور کی مذکورہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی۔

اجازت طلب کرنے کے معاملہ میں سیدنا عمرؓ کا عمل:

سیدنا عمرؓ کا عمل تھا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے دروازہ پر آ کر یہ الفاظ کہے۔ السلام علی رسول اللہ السلام علیکم ایدخل عمر یعنی سلام کے بعد کہا کہ کیا عمر داخل ہو سکتا ہے؟ (۴۹)

جب کوئی شخص کسی کے گھر داخل ہونا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اجازت طلب کرے خواہ داخل ہونے والا محرم ہو یا غیر محرم کیونکہ حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا تھا کہ کیا میں اپنی ماں سے بھی اجازت لوں؟ آپؓ نے فرمایا ہاں اپنی ماں سے بھی اجازت طلب کرو۔(۵۰)

اندر آنے کی اجازت تین مرتبہ طلب کرنی چاہئے۔ اگر اجازت مل جائے تو اندر چلے جائے ورنہ واپس ہو جائے۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو تین مرتبہ سلام

کیا سیلن اجازت نہیں ملی اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ واپس چل پڑے تو حضرت عمرؓ ان کے پیچھے آئے اور پوچھا کہ آپ واپس کیوں لوٹ گئے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ جب کوئی شخص تین مرتبہ سلام کرے اور اسے جواب نہ ملے تو اسے چاہئے کہ واپس ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم اپنی بات پر گواہ پیش کرو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔ گویا سیدنا عمرؓ نے آپ کو دھمکی دی تھی۔ جسے سننے کے بعد ابو موسیٰؓ ہمارے پاس اس حال میں آئے کہ ان کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ میں اس وقت ایک حلقہ میں بیٹھا تھا۔ ہم نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ انہوں نے سارا واقعہ سنایا اور پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے یہ حدیث سنی ہے؟ ہم نے کہا کہ ہم سب نے سنی ہے۔ پھر ان کے ساتھ ایک شخص کو بھیجا اور اس نے حضرت عمرؓ کو اس حدیث کے بارے میں بتایا۔(۵۱)

۱۶:- اولین اور آخرین کا بڑا گروہ اور سیدنا عمرؓ کی بارگاہ رسالت (ﷺ) میں استدعا:

سورہ واقعہ میں ارشاد ربانی ہے:

(i) ”ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ٥ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ٥“(۵۲)

بڑی جماعت پہلوں میں سے اور تھوڑی جماعت پچھلوں میں سے۔

(ii) ”ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ٥ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ٥“(۵۳)

بہت سے اگلوں میں سے اور بہت سے پچھلوں میں سے۔

اولین وآخرین سے کیا مراد ہے؟:

سورہ واقعہ میں اولین اور آخرین کی تقسیم کا دو جگہ ذکر آیا ہے۔ اول سابقین مقربین کے سلسلہ میں دوسرا اصحاب الیمین کے سلسلے میں پہلی جگہ یعنی سابقین میں تو یہ فرق کیا گیا ہے کہ یہ سابقین مقربین اولین میں سے ثلہ یعنی بڑی جماعت ہوگی اور آخرین میں سے کم ہونگے جیسا کہ آیت مذکورہ میں ہے اور دوسری جگہ اصحاب الیمین کے بیان میں اولین وآخرین دونوں میں لفظ ثلہ وارد ہوا ہے۔ جس کے معانی یہ ہوئے کہ اصحاب الیمین اولین میں سے بڑی جماعت ہوگی۔ اسی طرح آخرین میں سے بڑی جماعت ہوگی جیسا کہ آیت نمبر ۳۹ اور ۴۰ سے عیاں ہے۔

اب قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ اولین سے مراد کون ہیں؟ اور آخرین سے کون؟ اس میں حضرات مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ آدم علیہ السلام سے لے کر قرب زمانہ خاتم الانبیا ﷺ تک کی تمام مخلوقات اولین میں داخل ہیں اور خاتم الانبیا ﷺ سے لے کر قیامت تک آنے والی مخلوق آخرین میں داخل ہے۔ یہ تفسیر مجاہدؒ اور حسن بصریؒ سے ابن ابی حاتمؒ سے سند کے ساتھ نقل کی ہے۔ اور ابن جریرؒ نے بھی اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ (۵۴)

ابن عساکر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابرؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جب پہلی آیت جو سابقین مقربین کے سلسلے میں نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے تعجب کے ساتھ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا پچھلی امتوں میں سابقین زیادہ ہوں گے اور ہم کیا کم ہوں گے اس کے بعد سال بھر تک اگلی آیت نازل نہیں ہوئی جب ایک سال کے بعد یہ آیت نازل ہوئی "ثلة من الاولین ۝ و ثلة من الاخرین ۝" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اِسۡمَعۡ یَا عُمَرُ مَا قَدۡ اَنۡزَلَ اللّٰہُ ثُلَّۃٌ مِّنَ الۡاَوَّلِیۡنَ وَ ثُلَّۃٌ مِّنَ الۡاٰخِرِیۡنَ اَلَا وَ اِنَّ مِنَ اٰدَمَ اِلَیَّ ثُلَّۃٌ وَ اُمَّتِیۡ ثُلَّۃٌ" (۵۵)

اے عمر! سنو! جو اللہ نے نازل فرمایا کہ اولین میں سے بھی ثلہ یعنی بڑی جماعت ہوگی اور آخرین میں سے بھی ثلہ یعنی بڑی جماعت ہوگی اور یاد رکھو کہ آدم علیہ السلام سے مجھ تک ایک ثلہ ہے اور میری اُمت دوسرا ثلہ۔

امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ اہل جنت کے چوتھائی تم لوگ ہو جاؤ گے ہم نے عرض کیا کہ بے شک ہم اس پر راضی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"وَالَّذِیۡ نَفۡسِیۡ بِیَدِہٖ اِنِّیۡ لَاَرۡجُوۡ اَنۡ تَکُوۡنُوۡا نِصۡفَ اَہۡلِ الۡجَنَّۃِ" (۵۶)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے یہ امید ہے کہ تم (یعنی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اہل جنت کے

نصف ہو گے۔

اور ترمذی، حاکم و بیہقی نے حضرت بریدہؓ سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس سند کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے الفاظ حدیث یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اَهْلُ الْجَنَّةِ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ صَفًّا ثَمَانُوْنَ مِنْهَا مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَ اَرْبَعُوْنَ مِنْ سَائِرِ الْاُمَمِ"(۵۷)

اہل جنت کل ایک سو بیس صفوں میں ہونگے جن میں اسی صفیں اس امت کی ہوں گی باقی چالیس صفوں میں ساری امتیں شریک ہوں گی۔

فصل دوم:

مختلف غزوات میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا کردار اور مشورے

سیدنا عمر فاروقؓ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد زیادہ تر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر رہتے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی میں ان کے ساتھ رہے اور تمام معاملات میں پورا پورا کردار ادا کرتے رہے۔ آپؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد تمام غزوات میں شرکت کی اور ان غزوات میں اپنی شجاعت و بہادری اور بصیرت کے خوب جوہر دکھائے۔ ان میں سے چند اہم غزوات کے بارے آپؓ کا کردار اور آراء و مشورے پیش کیے جاتے ہیں۔

غزوۂ بدر ۲ ہجری:

مدینہ منورہ کے قیام کے دوران اہل اسلام کو سب سے پہلا معرکہ کفارِ مکہ کے خلاف ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری کو پیش آیا جسے غزوہ بدر کہتے ہیں۔ اسلامی لشکر کی تعداد ۳۱۳ جبکہ لشکرِ کفار کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی۔ مقام بدر پر یہ معرکہ ہوا اور کفار کو شکست ہوئی۔ مسلمانوں میں سے ۱۴ اصحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ قریش کی طرف سے ۷۰ قتل ہوئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ اس معرکہ میں سیدنا عمرؓ اپنی رائے، تدبر اور جانبازی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کے دست و بازو رہے اور درج ذیل خصوصیات آپؓ کے حصے آئیں:

۱:- اس غزوہ میں قریش کے تمام قبائل شریک ہوئے لیکن بنوعدی یعنی حضرت عمرؓ کے قبیلے میں سے ایک شخص بھی شریک نہیں ہوا۔ (۵۸)

۲:- مسلمانوں کے لشکر میں سیدنا عمرؓ کے خاندان کے مندرجہ ذیل اصحاب اور ان کے حلیف و غلام شریکِ غزوہ تھے: حضرت زیدؓ، حضرت عبداللہؓ بن سراقہ، حضرت عمروؓ بن سراقہ، حضرت واقدؓ بن عبداللہ، حضرت خولیؓ بن ابی

خولی، حضرت مالکؓ بن ابی خولی، حضرت عامرؓ بن ربیعہ، حضرت عامرؓ بن بکیر، حضرت عاقلؓ بن بکیر، حضرت خالدؓ بن بکیر، حضرت ایاسؓ بن بکیر۔

۳:- اس غزوہ کے شہید اوّل حضرت مہجعؓ، آپؓ ہی کے غلام تھے۔(۵۹)

۴:- اس معرکہ میں سیدنا عمرؓ نے اپنے حقیقی ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔(۶۰)

یہ بات حضرت عمرؓ کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے کہ اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کا اثر اُن پر کبھی غالب نہیں آ سکتا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ اس کی پہلی مثال ہے۔(۶۱)

قیدیوں کے معاملے میں سیدنا عمرؓ کی رائے:

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور دشمن کو عبرتناک شکست ہوئی قریش کے بہت سے نامور سردار شیبہ، عتبہ، ابوجہل، زمعہ بن اسود اور امیہ بن خلف وغیرہ مارے گئے اور مشاہیر قریش میں حضرت عباس، عقیل، نوفل اسود اور عبد بن زمعہ وغیرہ گرفتار ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام قیدیوں کو صحابہؓ میں تقسیم کر کے انہیں آرام سے رکھنے کا حکم دیا، اس پر صحابہؓ نے اس شدت سے عمل کیا کہ خود کھجور کھا کر بسر کرتے اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے۔(۶۲)

غزوہ بدر چونکہ اسلام کا پہلا جہاد تھا اور اچانک پیش آیا اُس وقت تک جہاد سے متعلقہ احکام کی تفصیل قرآن میں نازل نہیں ہوئی تھی جہاد میں اگر مالِ غنیمت ہاتھ آ جائے تو اُسے کیا کیا جائے۔ دشمن کے سپاہی اپنے قبضہ میں آ جائیں تو اُن کو گرفتار کرنا جائز ہے یا نہیں اور گرفتار کر لیا جائے تو پھر اُن کے ساتھ معاملہ کیا کرنا چاہیے۔

ملک کے عام دستور کے مطابق جنگی قیدی قتل کر دیئے جاتے یا فدیہ دے کر رہا ہو جاتے، کبھی انہیں غلام بنا کر رکھ لیا جاتا۔

اسیرانِ بدر کے بارے مشورہ:

رسول اللہ ﷺ نے اسیرانِ بدر کے بارے مختلف صحابہؓ سے رائے لی، سب نے مختلف آراء پیش کیں چند ایک صحابہؓ کی آراء یہ ہیں:

سیدنا ابوبکر صدیقؓ:

یارسول اللہ ﷺ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں بہتر ہے ان سے فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ فدیہ کے مال سے مسلمانوں کی اعانت ہوگی، اور کسی نہ کسی وقت یہ لوگ مسلمان بھی ہو جائیں گے۔

سیدنا عمر فاروقؓ:

یارسول اللہ ﷺ میں ابوبکرؓ کی رائے سے متفق نہیں۔ مسلمانوں میں سے جو اسیر جس کا رشتہ دار ہے اس کے حوالے کیا جائے۔ علیؓ اپنے بھائی عقیل کا سر قلم کریں۔ حمزہؓ عباس کو قتل کریں۔ میں اپنے عزیز کا کام تمام کروں۔ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ آج جو لوگ ہمارے سامنے قیدی کی حیثیت سے کھڑے ہیں یہی تو کفار کے قائد ہیں۔ (۶۳)

سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ:

یارسول اللہ ﷺ انہیں کے شہر سے باہر کسی جنگل میں دھکیل کر جنگل کو آگ لگا دی جائے۔ (۶۴)

رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ:

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکرؓ کی رائے پسند فرمائی اور فدیہ لے کر سب کو رہا کر دیا، جو لوگ ناداری سے فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے تو ان میں سے جو لوگ لکھنا جانتے تھے ان کے متعلق حکم ہوا کہ دس دس لڑکوں کو لکھنا سکھا دیں تو وہ رہا کر دیئے جائیں گے۔ (۶۵)

حضرت عمرؓ کے موقف کی تائید:

قیدیوں کی رہائی کے بعد فوراً وحی آئی جس میں ارشادِ باری تعالیٰ تھا:

"مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝" (۶۶)

سی نبی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو حالانکہ اللہ کے پیش نظر آخرت ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے لیا ہے اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔

اس طرح بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں سیدنا عمر فاروق ؓ کی رائے نے ان کے مقدس شخصیت ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا۔ کیونکہ سیدنا عمر ؓ کی رائے وحی الٰہی کے عین مطابق تھی۔ آپ ؓ یہ چاہتے تھے کہ ان قیدیوں میں جو صاحبِ اقتدار ہیں انہیں رہا نہ کیا جائے تاکہ وہ پھر مسلمانوں کے مقابل نہ ہو سکیں اور اپنی اس رائے پر اس وقت بھی مصر رہے جب تک کہ اہل اسلام کے گروہ نے فدیہ قبول کر لینے کے حق میں اپنی رائے کو پیش کیا تھا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی نظر میں سیدنا عمر فاروق ؓ کی حیثیت بلند اور آپ ؓ کی رائے وقیع ہوگئی۔

غزوہ احد ۳ھ ہجری:

غزوہ بدر کے بعد غزوہ بنی سلیم، غزوہ بنی قینقاع، غزوہ سویق، غزوہ غطفان، غزوہ نجران وغیرہ جتنے چھوٹے چھوٹے معرکے پیش آئے، سب میں سیدنا عمر ؓ برسرِ پیکار رہے، یہاں تک کہ شوال ۳ھ ہجری میں اُحد کا وہ معرکہ پیش آیا جس میں قریش مکہ بدر کا انتقام لینے کے لئے آئے ان کی تعداد تین ہزار تھی اور بے شمار سامان جنگ سے لیس ہو کر مدینہ منورہ کے قریب اُحد کے مقام پر ڈیرے ڈال دیے۔

اسلامی لشکر:

قریش مکہ کے مقابلے میں اسلامی لشکر کی کل تعداد صرف سات سو تھی۔ اُحد پہنچ کر پہاڑ کی پشت پر صف آرائی ہوئی۔ پچاس تیراندازوں کو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جبیر ؓ کی ماتحتی میں ایک درہ کی حفاظت پر متعین فرما دیا تھا کہ اُدھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔

آغازِ جنگ:

فریقین کی عسکری قوت میں اس تفاوت کے باوجود ے شوال ۳ھ ہجری لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں

نے دشمن کی صفوں کو تہہ و بالا کر دیا۔ کفار شکست کھا کر بھاگے اور مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔

تیر اندازوں کی غلط فہمی:

تیر اندازوں نے قریش کی پسپائی کو معرکہ کا اختتام سمجھ کر درہ چھوڑ دیا اور وہ بھی دیگر مجاہدین کے ساتھ مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ تیر اندازوں کے ہٹتے ہی خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) نے پشت سے حملہ کر دیا۔ مسلمان چونکہ غافل تھے اور لئے اس ناگہانی یلغار کی تاب نہ لا سکے۔ (٦٧)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر:

مصعب بن عمیرؓ جو رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھے شہید ہو گئے اور شبہ میں یہ خبر اڑ گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے شہادت پائی اس خبر نے مسلمانوں کے رہے سہے اوسان خطا کر دیئے اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے رسول اللہ ﷺ کے گرد صرف چند جاں نثار باقی رہ گئے۔ (٦٨)

کفار نے مسلمانوں کی اس افراتفری کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ پر حملہ کر دیا اور اس قدر تیر برسائے کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور پیشانی پر بھی زخم آئے لیکن رحمتِ عالم ﷺ کی زبان مبارک پر اس وقت بھی یہ الفاظ تھے اے خدا میری قوم کو بخش دے کہ وہ جانتے نہیں۔ (٦٩)

سیدنا عمرؓ کا حملہ:

طبری اور سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو آپ ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ ﷺ مسلمانوں کے لے کر پہاڑ کے درہ پر چڑھ گئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ حضرت علیؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، طلحہؓ بن عبید اللہ، زبیرؓ بن عوام اور حارث تھے۔ خالد بن ولید ایک فوجی دستہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھے۔ آپ ﷺ اس وقت تیس صحابہؓ کے پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے۔ خالد بن ولید کو آتا دیکھ کر فرمایا اے اللہ! یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں۔ سیدنا عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور اُن لوگوں کو ہٹا دیا۔ (٧٠)

سیدنا عمر فاروقؓ کی للکار:

جب رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر پھیلی تو ابوسفیان نے اس خبر کی تصدیق کے لئے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی، محمد ﷺ یہاں ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو جواب دینے سے منع کر دیا۔ ابوسفیان نے جواب نہ پا کر ابوبکرؓ وعمرؓ کو آواز دی۔ اس پر بھی کوئی جواب نہ ملا اس وقت اس نے مسرت سے نعرہ لگایا کہ سب مارے گئے۔ سیدنا عمرؓ سے ضبط نہ ہوسکا، للکار کر بولے ''او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں'' یہ سن کر ابوسفیان نے ہبل کا نعرہ لگایا ''اعلیٰ ھبل''، رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمرؓ سے فرمایا کہ جواب دو'' اللہ اعلیٰ و اجل ''یعنی اللہ تعالیٰ بلند و برتر ہے۔(۷۱)

مسلمانوں کے سنبھلنے سے قریش کی ہمت پست ہوگئی اور وہ لوٹ گئے اس غزوہ میں بھی سیدنا عمرؓ نے بہادری وشجاعت کے جوہر دکھائے اور آخروقت تک رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ قریش رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سیدنا ابوبکرؓ وعمرؓ کو اسلام کے ستون تصور کرتے تھے اسی لئے رسول اللہ ﷺ کو ابوسفیان نے جب آواز دی تو ساتھ ابوبکرؓ اور عمرؓ کو بھی آواز دی۔

سیدنا عمرؓ نے جب سے ہوش سنبھالا تو یہ آپؓ کے کردار کی خصوصیت رہی کہ جب کسی چیز کو پسند یا اختیار فرماتے تو اسے دل وجان سے ساتھ لگا لیتے لیکن یہاں تو معاملہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کی حفاظت کا تھا۔ جس کے لئے تو وہ اپنا سب کچھ قربان کرسکتے تھے۔

غزوہ خندق یا احزاب ۵ ہجری:

مورخین کے مطابق ۸ ذیقعدہ ۵ ہجری کو غزوہ خندق پیش آیا۔ جس میں تقریباً دس ہزار یا اس سے بھی زیادہ کفار نے حصہ لیا۔(۷۲)

رسول اللہ ﷺ کی پسند سے مدینہ کے گرد خندق کھود کر شہر میں قلعہ بند ہوگئے۔ اتحادیوں نے مدینہ پہنچ کر ہر طرف سے محاصرہ کرلیا اور ایک مہینہ تک اس شدت کے ساتھ محاصرہ قائم رہا کہ مسلمانوں پر کئی فاقے گزر گئے۔ کفار خندق پار تو نہ کرسکے۔ البتہ کبھی کبھی خندق میں اُتر کر حملہ کرتے تھے آنحضرت ﷺ نے اس غرض سے

خندق کے ادھر ادھر کچھ فاصلہ پر اکابر صحابہ ؓ کو متعین کر دیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائے۔ ایک حصہ پر سیدنا عمر ؓ متعین تھے ایک دن کفار کے مقابلہ پر سیدنا عمر ؓ کو اس قدر مصروف رہنا پڑا کہ نماز عصر قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ بعد مغرب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تو کفار کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ آنخضرت ﷺ نے فرمایا میں نے بھی اب تک نہیں پڑھی ہے۔ چنانچہ بطحان پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور نماز پڑھائی۔ (۷۳)

جوں جوں محاصرہ بڑھتا جاتا تھا اہل مدینہ سے زیادہ کفار کے لئے مصیبت بڑھتی جاتی تھی اس لئے کہ دس ہزار کی فوج کی رسد کا سامان آسان نہ تھا اسی درمیان ایک دن اس زور کی آندھی آئی کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں۔ عین اس موقع پر نعیم بن مسعود ثقفی نے جو در پردہ مسلمان ہو گئے تھے قریش اور یہودیوں میں پھوٹ ڈال دی۔ حالات کی سنگینی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح یاب کیا اور کفار کے حصہ میں شکست کی ذلت کے سوا کچھ نہ آیا۔ (۷۴)

واقعہ حدیبیہ ۶ ہجری:

ذیقعد ۶ ہجری میں آنخضرت ﷺ نے زیارتِ کعبہ کا قصد فرمایا اور اس خیال سے کہ لڑائی کا کسی کو شبہ نہ ہو حکم دیا کہ کوئی ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔

سیدنا عمر ؓ کا مشورہ:

مدینہ سے چھ میل باہر ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچ کر سیدنا عمر ؓ کو خیال آیا کہ دشمنوں میں اسلحہ کے بغیر جانا مصلحت نہیں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی رائے کے موافق ہتھیار منگوا لئے۔ (۷۵)

سیدنا عثمان غنی ؓ بطور سفیر:

مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ کے اندر قدم نہ رکھنے دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کو چونکہ لڑنا مقصود نہیں تھا۔ اس لئے مصالحت کی غرض سے سیدنا عثمان ؓ کو سفیر بنا کر بھیجا قریش نے انہیں مکہ میں ہی روک لیا۔ جب کئی دن گزر گئے تو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ سیدنا عثمان ؓ شہید کر دیے گئے ہیں۔

بیعت رضوان:

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ کو اس خبر پر سخت صدمہ ہوا آپ ﷺ نے قصاص کے لئے صحابہ ؓ سے جن کی تعداد چودہ سو تھی ایک درخت نیچے جانبازی کی بیعت لی۔(۷۶)

اس بیعت کو تاریخ اسلام میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہے اس بیعت کا قرآن حکیم میں بھی ذکر ہے:

"لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝"(۷۷)

اللہ مومنوں سے خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کررہے تھے۔ان کے دلوں کا حال اُس کو معلوم تھا اس لئے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی۔

سیدنا عمر ؓ نے بیعت سے پہلے لڑائی کی تیاری شروع کردی تھی۔حدیبیہ میں سیدنا عمر ؓ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ ؓ کو بھیجا کہ فلاں انصاری سے گھوڑا مانگ لائیں۔عبداللہ بن عمر ؓ باہر نکلے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں سے جہاد پر بیعت لے رہے ہیں انہوں نے بھی جاکر بیعت کی۔حضرت عمر ؓ کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ وہ ہتھیار سجا رہے ہیں۔عبداللہ ؓ نے ان سے بیعت کا واقعہ بیان کیا۔سیدنا عمر ؓ اسی وقت اٹھے اور جاکر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔(۷۸)

قریش کا اصرار تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس سال مکہ میں داخل نہیں ہوسکتے۔آخر بڑے ردوقدح کے بعد فریقین ایک معاہدہ پر راضی ہوگئے۔اس معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ کے ہاں چلا جائے۔تو اس کو قریش کے پاس واپس بھیج دیا جائے گا۔لیکن اہل اسلام سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو ان کو اختیار ہوگا کہ اس کو اپنے پاس روک لیں۔یہ شرط چونکہ بظاہر مشرکین کے حق میں زیادہ مفید تھی اس لئے حضرت عمر ؓ کو نہایت اضطراب ہوا۔معاہدہ ابھی لکھا نہیں جاچکا تھا کہ وہ سیدنا ابوبکر ؓ کے پاس پہنچے اور کہا

کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے انہوں نے سمجھا یا رسول اللہ ﷺ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہو گی لیکن سیدنا عمرؓ کو تسکین نہیں ہوئی خود رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور اس طرح گفتگو کی:

یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ رسول خدا نہیں ہیں؟

رسول اللہ ﷺ: بے شک ہوں۔

حضرت عمرؓ: کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں؟

رسول اللہ ﷺ: ضرور ہیں۔

حضرت عمرؓ: پھر ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں؟

رسول اللہ ﷺ: میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں اور اللہ کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔

سیدنا عمرؓ کی یہ گفتگو اور خصوصاً انداز گفتگو اگر چہ خلافِ ادب تھا چنانچہ بعد میں ان کو سخت ندامت ہوئی اور اس کے کفارہ کے لئے روزے رکھے، نوافل پڑھے، خیرات دی، غلام آزاد کئے۔()

یہ دراصل اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ والہانہ محبت کا نتیجہ تھا اور سوال و جواب کی اصل بنیاد اس نکتہ پر تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے کون سے افعال انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے رسالت کے منصف سے۔ سیدنا عمرؓ منصب رسالت سے آگاہ تھے اسی لئے فوراً اس انداز گفتگو پر توبہ واستغفار کی۔

غرض معاہدہ صلح لکھا گیا اور اس پر بڑے بڑے اکابر صحابہؓ کے جن میں سیدنا عمرؓ بھی شامل تھے دستخط ثبت ہوئے۔ معاہدہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ راستے میں سورہ فتح نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ پر آج ایسی سورۃ نازل ہوئی ہے جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے سورہ فتح کی آیات تلاوت فرمائیں۔

محدثین نے لکھا ہے کہ اس وقت تک مسلمان اور کفار بالکل الگ رہتے تھے۔ صلح ہو جانے سے آپس میں میل جول ہوا۔ میل جول کے اثر سے دو برس کے اندر اندر جس کثرت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اس سے قبل اتنا نہیں کیا۔(۸۰)

غزوہ خیبر ۷ ہجری:

محرم ۷ ھ میں غزوہ خیبر پیش آیا۔عرب میں یہودیوں کی قوت کا سب سے بڑا مرکز خیبر تھا۔ یہاں اہل یہود کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے۔ان قلعوں کی تعداد چھ تھی ان میں بیس ہزار آزمودہ سپاہی موجود تھے۔عرب کا مشہور بہادر مرحب بھی یہیں رہتا تھا۔رسول اللہ ﷺ سولہ سو مسلمانوں کے ساتھ خیبر کی طرف بڑھے۔

سیدنا فاروق اعظمؓ کا غزوہ خیبر میں حصہ:

شاہ ولی اللہؒ نے لکھا کہ غزوہ خیبر میں لشکر کا میمنہ حضرت فاروق اعظمؓ کے سپرد کیا گیا تھا۔ ہر رات میں لشکر کی نگہبانی کی ذمہ داری صحابہؓ میں سے ایک کے لئے مقرر کی جاتی تھی جس رات سیدنا عمر فاروقؓ کی نگہبانی کی باری تھی تو ایک یہودی آپؓ کے قبضے میں آ گیا اور اُس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جا کر پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اُس سے خیبر کے حالات دریافت کئے اور اس گرفتاری سے فتح خیبر میں کافی مدد ملی۔(۸۱)

قموص کا قلعہ:

جب مسلمانوں نے یہودیوں کے قلعوں پر یلغار کی تو چند قلعے جلد فتح ہو گئے لیکن قموص کا قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔مرحب اسی میں رہتا تھا رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے خاص اہتمام فرمایا اور پہلے یکے بعد دیگرے سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کو اس مہم پر مامور فرمایا لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کا علم دوں گا جو حملہ آور ہو گا۔اگلے دن تمام اکابر صحابہؓ علم نبوی (علی صاحبها الصلوٰۃ والسلام) کی اُمید میں بڑے سرو سامان کے ساتھ لیس ہو کر آئے ،ان میں سیدنا عمرؓ بھی تھے اور ان کا اپنا بیان ہے کہ ''میں نے امارت کی اس دن کے علاوہ کبھی تمنا نہیں کی تھی'' لیکن یہ فخر چونکہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لئے مقرر ہو چکا تھا۔اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلا کر علم مرحمت فرمایا۔مرحب سیدنا علیؓ کے ہاتھ مارا گیا اور اس کے قتل کے ساتھ ہی معرکہ کا خاتمہ ہو گیا۔(۸۲)

رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمین مجاہدین میں تقسیم فرما دی چنانچہ ایک ٹکڑا جس کا نام ثمغ تھا۔حضرت عمرؓ کو عنایت فرمایا یہ اس قدر عمدہ باغ تھا کہ سیدنا عمرؓ نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کی ''اس بڑھ کر

عمدہ جائداد مجھ کو کبھی نہیں ملی'' تاہم آپؓ نے اس باغ کو راہِ خدا میں وقف کر دیا اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا۔(۸۳)

اس غزوہ میں بھی سیدنا عمر فاروق اعظمؓ نے بہادری، شجاعت، فراست اور سخاوت کا ثبوت پیش کیا۔

غزوہ حنین ۸ھ ہجری:

فتح مکہ کے کچھ دن بعد یعنی شوال ۸ھ میں ہوازن کی لڑائی پیش آئی، جو غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے اس غزوہ میں مسلمانوں کے پائے ثبات میں لغزش آ گئی تھی۔

لغزش کی وجہ:

اس غزوہ میں اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی اور جنگی ساز و سامان بھی وافر مقدار میں تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں دشمن کے مقابلے میں نکلے چنانچہ بعضوں کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے؟ مقابلہ شروع ہوا تو پہلے حملہ میں مشرکین پسپا ہوئے۔ مگر ابھی پوری طرح ان کو شکست نہیں ہوئی تھی۔ کہ مسلمان مالِ غنیمت حاصل کرنے لگ پڑے۔ مشرکین کو موقع مل گیا۔ انہوں نے تیر بازی شروع کر دی۔(۸۴)

مسلمانوں کی فوج میں بہت سے مکہ کے مولفتہ القلوب نومسلم تھے، جو دل سے شریک نہیں تھے، انہوں نے عین موقع پر دھوکہ دیا۔(۸۵)

اس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ اس بری طرح منتشر ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس صرف چند جان نثار باقی رہ گئے۔ اس نازک صورتِ حال میں آپ ﷺ سواری سے اتر پڑے اور جلال نبوت کے لہجہ میں فرمایا: ''میں خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں''(۸۶)

حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ کے حکم سے مہاجرین اور انصار کو پکارا، ان کی آواز سنتے ہی مسلمان پلٹ پڑے اور اس جانبازی کے ساتھ لڑے کہ دیکھتے ہی دیکھتے لڑائی کا رنگ بدل گیا۔

سیدنا عمرؓ کا کردار:

اس غزوہ میں سیدنا عمرؓ کو مہاجرین کے جھنڈوں میں سے ایک جھنڈا دیا گیا۔(۸۷)

آپؓ اس غزوہ میں بھی نہایت پامردی اور ثابت قدمی کے ساتھ شریک ہوئے، جب مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی تو شکست خوردہ جماعت کے ایک فرد حضرت ابو قتادہؓ میدان میں گشت لگانے کے لئے نکلے۔اُن کا بیان ہے کہ اچانک عمرؓ بن خطاب نظر آئے جو لوگوں کو لئے کھڑے تھے۔حضرت ابو قتادہؓ نے پوچھا۔لوگوں کا کیا خیال ہے؟ سیدنا عمرؓ نے جواب دیا: ''اللہ تعالیٰ کا جو حکم تھا وہ ہوا۔''

اس غزوہ میں سیدنا عمرؓ کو دو کنیزیں ملی تھیں جنہیں آپؓ نے مکہ کے کسی مکان میں بجھوا دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب حنین کے قیدیوں کو آزاد فرمایا تو وہ مکہ کی گلیوں میں دوڑنے لگے،سیدنا عمرؓ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: ''عبداللہ دیکھو تو کیا ماجرا ہے؟'' انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں پر احسان فرمایا ہے، سیدنا عمرؓ بولے ''جاؤ اور تم بھی کنیزوں کو چھوڑ دو۔''

واپسی پر سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میں نے جاہلیت میں اعتکاف کی نذر مانی تھی، آپ ﷺ فرمایا، تم اس کو پورا کرو، چنانچہ انہوں نے مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کیا۔(۸۸)

اس غزوہ میں بھی سیدنا عمرؓ نے بہادری، ثابت قدمی اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی فوراً تعمیل کا ثبوت دیا۔

غزوہ تبوک ۹ ھ ہجری:

رجب ۹ ھ ہجری میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر تمام صحابہؓ کو تیاری کو حکم دیا، چونکہ یہ زمانہ عسرت اور تنگی کا تھا، اس لئے لوگوں کو جنگی تیاری کے لئے مالی امداد کی ترغیب دی گئی، چنانچہ اکثر صحابہؓ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔سیدنا عمرؓ نے اس موقع پر اپنے مال واسباب میں سے نصف لاکر بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں پیش کیا۔غرض اسلحہ اور سامانِ رسد مہیا ہو جانے کے بعد مجاہدین نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں تبوک کا رخ کیا۔یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، اس لئے حضور نبی کریم ﷺ چند روز قیام فرمانے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔

اس غزوہ میں بھی سیدنا عمر فاروق ؓ نے مالی قربانی کی عظیم مثال پیش کی دراصل آپ ؓ نے دامے، درمے، قدمے اور سخنے ہر لحاظ سے اپنے آپ کو اسلام کے لئے وقف کیا ہوا تھا۔

غزوہ بدر سے لے کر غزوہ تبوک تک کے تمام غزوات میں آپ ؓ کا کردار نہایت قابلِ رشک نظر آتا ہے۔ عہد رسالت ﷺ کے تقریباً تمام غزوات میں آپ ؓ کی قیمتی آراء ومشوروں سے مسلمانوں نے بھرپور استفادہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ؓ نے ان غزوات میں شجاعت وبہادری کے خوب جوہر دکھائے۔

فصل سوم:

عہد رسالت ﷺ میں مختلف مواقع پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اجتہادی بصیرت

گزشتہ فصول میں عہد رسالت ﷺ میں سیدنا عمرؓ کی موافقت میں جن قرآنی آیات کا نزول ہوا اُن کا جائزہ پیش کیا گیا اور مختلف غزوات میں آپؓ کا کردار اور آراء و مشوروں کے بارے مختصراً لکھا گیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد رسالت ﷺ میں آپؓ کا مقام و مرتبہ بہت بلند تھا۔

ذیل میں عہد رسالت ﷺ میں مختلف مواقع پر آپ کی اجتہادی بصیرت کے چند مزید واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ کی فضا ہموار کی:

سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور آپ کی تشریف آوری سے قبل وہاں کی فضا کو ہموار کیا۔ کیونکہ سفارت کاری میں آپؓ کو ملکہ حاصل تھا اور آپؓ کا خاندان بھی اس کام کی وجہ سے مشہور تھا۔

براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے جو لوگ ہمارے پاس آئے وہ مصعبؓ بن عمیر اور ابن مکتومؓ تھے اور وہ لوگوں کو قرآن پڑھایا کرتے تھے۔ پھر بلالؓ، سعدؓ اور عمارؓ بن یاسر آئے پھر بیس آدمیوں میں سیدنا عمرؓ آئے پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔(۸۹)

اذان کا طریقہ سیدنا عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا:

مدینہ پہنچ کر جب مسلمانوں کو آزادی اور اطمینان نصیب ہوا تو اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض اور ارکان محدود اور معین کیے جائیں نیز مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ اور دور دور محلوں میں آبادی کے پیش

لظر نماز کے اعلان کا ایسا طریقہ اختیار کیا جائے، جس سے مسلمان ایک مرکز پر جمع ہو کر نماز باجماعت کا اہتمام کر سکیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے ادھر توجہ کی اور صحابہ ؓ سے مشورہ فرمایا۔ بعض صحابہ ؓ نے رائے دی کہ آگ جلا کر لوگوں کو خبر کی جائے، جب کہ بعض کا خیال تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح بوق و ناقوس سے کام لیا جائے۔ بہرحال یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ سیدنا عمر ؓ آ نکلے اور انہوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے اُسی وقت حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ (۹۰)

یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اذان جو کہ نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے، سیدنا عمر ؓ کے لئے اس سے بڑھ کر فخر کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ ایسا شعارِ اعظم جس سے تمام عالم قیامت تک دن اور رات میں پانچ وقت توحید و رسالت ﷺ کے اعلان سے گونجتا رہے گا، انہی کی رائے سے قائم ہوا۔ (۹۱)

اس ضمن میں بعض اہل سیر نے حضرت عبداللہ ؓ بن زید کا ذکر بھی کیا ہے کہ انہوں نے اپنے ایک خواب کی بنا پر یہ تجویز پیش کی تھی، لیکن مستند روایات کے مطابق یہ شرف سیدنا عمر ؓ کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔

سیدنا عمر ؓ کی خلافت کے زمانہ میں اذان:

اذان کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ یہی وجہ کہ سیدنا عمر ؓ کی یہ رائے تھی کہ اذان شرفاء اور صاحب فضیلت لوگوں کو دینی چاہیئے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ نے استفسار کیا: تمہارے موذن کون ہیں لوگوں نے جواب دیا کہ ہمارے غلام اور موالی (آزاد کردہ غلام)۔ آپ ؓ نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ تم میں بہت سی (دینی) کمزوریاں آ گئی ہیں۔ (۹۲)

اذان کی فضیلت کی بنا پر آپ ؓ کی تمنا تھی کہ خود اذان دیا کریں لیکن بار خلافت کی ذمہ داری جو آپ ؓ کے کندھوں پر تھی ایسا کرنے کی اجازت نہ دیتی تھی چنانچہ فرماتے تھے کہ اگر خلافت کے کاموں کے ساتھ اذان دینے کا موقع ملتا تو میں ضرور اذان دیا کرتا۔ (۹۳)

اگر سیدنا عمر ؓ خود پر زیادہ بوجھ ڈال کر اذان بھی دیتے تو آپ ؓ کے عمل کی پیروی کرتے ہوئے بعد کے خلفاء کو بھی یہ عمل کرنا پڑتا جس کی وجہ سے امت کے کاموں میں حرج واقع ہوتا، چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ ؓ نے فرمایا کہ:

''الر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے اذان دیتے رہنے سے یہ عمل سنت بن جائے گا تو میں اذان بھی ترک نہ کرتا۔''(۹۴)

صبح کی اذان میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کے الفاظ کا اضافہ:

اذان کے الفاظ معروف ہیں۔البتہ سیدنا عمرؓ نے مذکورہ الفاظ کا اضافہ کیا۔اوراس کی وجہ یہ ہوئے کہ ایک مرتبہ جب موذن حضرت عمرؓ کو نماز فجر کی اطلاع دینے آیا تو دیکھا کہ آپؓ بیدار نہیں ہوئے تو اس نے کہا ''اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' تو حضرت عمرؓ نے موذن کو حکم دیا کہ وہ یہ الفاظ اذان میں شامل کردے۔(۹۵)

سیدنا عمر فاروقؓ کا اپنی بیویوں کو طلاق دینا:

سیدنا عمرؓ نے جاہلی دور میں تین عورتوں سے شادی کی:۔

۱:۔قریبہ بن ابی اُمیہ المخزومی،ام المومنین ام سلمہؓ کی بہن تھیں اس طرح آپؓ رسول اللہ ﷺ سے رشتہ داری پیدا کرچکے تھے۔

۲:۔ام کلثوم بنتِ عمرو بن جرول خزاعی،جب صلح حدیبیہ ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی:۔

''وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ''(۹۶)

کافر عورتوں کا ہاتھ نہ تھامو۔

اس زمانے تک کافرہ عورتوں سے نکاح جائز تھا لیکن مذکورہ آیت نازل ہونے کے بعد آپؓ نے ان دونوں عورتوں کو طلاق دے دی کیونکہ آپؓ ہر اسلامی حکم ماننے کے لئے ہر لمحہ تیار رہتے تھے اور مذکورہ حکم کی بھی آپؓ نے فوراً تعمیل کی۔

۳:۔ زینب بنت مظعون الجمحی، یہ اسلام لے آئی تھیں اور ہجرت کر آئی تھیں یہی عبداللہ، حضرت حفصہ اور عبدالرحمٰن الاکبر کی ماں تھیں۔(۹۷)

عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ کا حال:

غزوہ تبوک ۹ ہجری کے بعد منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوگیا،وہ چونکہ بظاہر مسلمان ہوگیا تھا

اس لئے اُس کے بیٹے کی درخواست پر رحمۃ اللعالمین ﷺ نے اپنا قمیض عطا فرمایا اور جنازہ کی نماز پڑھنے کا ارادہ فرمایا، جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو سیدنا عمرؓ نے صف سے آگے نکل کر آپ ﷺ کا دامن پکڑ لیا اور عرض کی، آپ ﷺ اس منافق کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منافقین کے استغفار سے منع فرمایا ہے۔ مزید عرض کیا کہ اس نے فلاں دن آپ ﷺ کو فلاں فلاں باتیں کہیں تھیں، حضور ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا: ''اے عمرؓ! ہٹ جاؤ'' لیکن حضرت عمرؓ نے بار بار وہی گفتگو کی تو ارشاد ہوا کہ مجھ کو دونوں باتوں کا اختیار دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ'' (۹۸)

چاہے آپ ﷺ اُن کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ﷺ ان کے لئے ستر بار استغفار کریں گے۔ تب بھی اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت نہ کرے گا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ پتا چل جائے کہ ستر بار سے زیادہ استغفار کرنے سے وہ بخشا جائے گا تو میں یقیناً اس کے لئے اس سے زیادہ دعا کروں۔ پھر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی، اس کے جنازے کے ساتھ ساتھ تشریف لے گئے اور فراغت تک اُس کی قبر پر کھڑے رہے۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں مجھے اپنی اس جرأت پر بڑا تعجب ہوا۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں مگر زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔

'' وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَا تُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ''(۹۹)

اُن میں سے کوئی مرے تو آپ ﷺ اُس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں ان لوگوں نے خدا اور رسول ﷺ کا

انکار کیا ہے اور فاسق مرے ہیں۔

اس طرح سیدنا عمرؓ کی رائے کے موافق قرآنی آیات کا نزول ہوا۔

فتح مکہ کے موقعہ پر سیدنا عمرؓ کا جوش:

رسول اللہ ﷺ اور قریش کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا اُسے معرکہ خیبر کے بعد قریش نے توڑ دیا جب قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو ابوسفیان تجدید عہد کے لئے مدینہ آیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف قطعی توجہ نہ فرمائی، اس کے بعد وہ باری باری سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے پاس گیا کہ وہ اس معاملہ کو طے کرا دیں، سیدنا عمرؓ نے ابوسفیان کو اس سختی سے جواب دیا کہ وہ نا اُمید ہو گیا اور تجدید عہد کا یک طرفہ اعلان کر کے مکہ لوٹ گیا۔(۱۰۰)

عہد شکنی کے باعث رسول اللہ ﷺ نے دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رمضان المبارک ۸ ہجری میں مکہ کا قصد فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے اگرچہ نہایت خاموشی سے یہ تیاری فرمائی تھی تاہم حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ سے یہ لغزش ہوئی کہ انہوں نے قریش مکہ کو خط لکھ کر ان حالات کی اطلاع دی یہ خط جب راستے میں ہی پکڑ لیا گیا تو سیدنا عمرؓ غصے سے بے تاب ہو گئے اور جوش سے عرض کیا، ''حکم ہو تو گردن اڑا دوں''، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ''عمرؓ! تم کو کیا معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو مخاطب کر کے کہہ دیا ہے کہ تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔'' حضرت حاطبؓ کے عزیز و اقارب اب تک مکہ میں تھے اور ان کا کوئی حامی نہ تھا، اس لئے انہوں نے قریش پر احسان رکھنا چاہا کہ اس کے صلہ میں اُن کے عزیزوں کو نقصان نہ پہنچائیں گے، حضرت حاطبؓ نے بھی رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہی عذر پیش کیا اور آپؐ نے قبول فرمایا۔

جب اسلامی لشکر مکہ کے قریب پہنچا اور لشکر نے وہاں آگ روشن کی، تو تمام صحرا چمک اُٹھا، اہل مکہ کو اس پر تشویش ہوئی چنانچہ ان کی طرف سے ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقہ حالات کا جائزہ لینے کے لئے آئے، جب لشکر کے قریب آئے تو ابوسفیان پر حضرت عباسؓ کی نظر پڑی وہ اس کے رفیق تھے، اس کی جان بچانے کے لئے اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے، لیکن خیمہ نبوی ﷺ کے محافظ دستے نے دیکھ لیا،

سیدنا عمرؓ کی نظر بھی پڑ گئی وہ اسے دیکھ کر بے قابو ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کفر کے استیصال کا وقت آ گیا مجھے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن ماردوں، حضرت عباسؓ نے کہا عمرؓ! ابوسفیان اگر عبد مناف کے خاندان سے نہ ہوتا اور تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا، تو تم اس طرح اس کی جان کے دشمن نہ ہوتے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھ کو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اس وقت ہوئی تھی جب آپؓ اسلام لائے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ کی سفارش قبول کی اور ابوسفیان کو امن دیا۔(۱۰۱)

فتح مکہ کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ کو رسول اللہ ﷺ اسلام اور مسلمانوں سے بے پناہ محبت تھی اور ان تینوں کے دشمنوں کو زندہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

اصابت رائے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد بیٹھے تھے ہمارے ساتھ ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی تھے۔ آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور کہیں چلے گئے اور آنے میں دیر کی تو ہمیں ڈر ہوا کہ کیا ہوا سب سے پہلے میں گھبرایا لہٰذا آپ ﷺ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا حتیٰ کی انصار بنو نجار کے باغ میں پہنچا میں چکر کاٹنے لگا کہ دروازہ کدھر ہے تو کوئی دروازہ نہ پایا میں نے دیکھا کہ باہر کے کنویں میں سے ایک نالی باغ میں داخل ہو رہی ہے تو میں اس میں سے سکڑ کر اندر داخل ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا ابو ہریرہؓ کدھر آئے ہو میں نے عرض کیا" آپ ﷺ ہمارے درمیان بیٹھے تھے کہ اچانک کھڑے ہو گئے اور آنے میں دیر کی ہم ڈرے کہ کیا ہوا۔ سب سے پہلے مجھے گھبراہٹ ہوئی لہٰذا میں اس باغ کی طرف آیا اور لومڑی کی طرح سکڑ کر نالی سے اندر داخل ہو گیا لوگ میرے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں"

آپ ﷺ نے مجھے اپنے نعلین مبارک دیئے اور فرمایا کہ یہ دونوں جوتے لے جاؤ اور اس باغ کے باہر جو شخص بھی کلمہ کو دل سے ایمان لانے والا ملے اسے جنت کی خوشخبری دے دو۔

سب سے پہلے سیدنا عمرؓ ملے انہوں نے پوچھا اے ابو ہریرہؓ یہ جوتے کیسے ہیں میں نے کہا کہ یہ جوتے رسول اللہ ﷺ کے ہیں مجھے دیئے ہیں کہ جو کوئی صدق دل سے کلمہ شہادت پڑھتا ہے اسے جنت کی خوشخبری دے

دو۔

حضرت عمرؓ نے میرے سینے پر ایک مکہ رسید کیا کہ میں زمین پر چت گر پڑا اور کہا کہ اے ابو ہریرہؓ لوٹ جا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس چلا گیا۔ میں رو رہا تھا، فوراً ہی سیدنا عمرؓ آن پہنچے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہؓ کیا ہوا؟ میں نے عرض کی مجھے راہ میں عمرؓ ملے تو میں نے آپ ﷺ کا پیغام پہنچایا انہوں نے میرے سینے پر ایسا مکہ مارا کہ میں پیچھے کو گر پڑا اور کہا کہ واپس چلا جا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے سوال فرمایا کہ اے عمرؓ تم نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت عمرؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! کیا آپ ﷺ نے ابو ہریرہؓ کو نعلین مبارک دے کر فرمایا تھا کہ جو بھی کلمہ کو صدق دل سے اقرار کرنے والا ملے اسے جنت کی خوشخبری دے دینا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میں نے کہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ ایسا نہ کیجئے۔ مجھے ڈر ہے کہ لوگ ہاتھ پاؤں توڑ کر نہ بیٹھ جائیں، انہیں عمل کرنے دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا، عمل کرنے دو۔ (۱۰۲)

عہد رسالت ﷺ میں مذکورہ واقعہ بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کی رائے کو شرف قبولیت عطا فرمائی اس سے سیدنا عمرؓ کی اجتہادی بصیرت اور واضح ہوتی ہے اور عہد رسالت ﷺ میں آپؓ کا مقام و مرتبہ اور کھل کر سامنے آتا ہے۔

دوسرا باب فصل اول حواشی

۱-ترمذی: الجامع، ابواب المناقب، باب مناقب عمرؓ، ۲/ ۲۰۹

۲-الاحزاب ۳۳: ۵۳

۳-بخاری: الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب تفسیر واذا سألتموھن......، ۲/ ۷۰۶

۴-ابن ابی شیبہ: المصنف فی الاحادیث والآثار، (طیب اکیڈمی، لاہور، بدون تاریخ)، ۱/ ۱۵۹

۵-شاطبی: الموافقات فی اصول الشریعۃ، (دار المعرفۃ، بیروت، بدون تاریخ)، ۴/ ۲۰۷

۶-البقرۃ ۲: ۱۲۵

۷-القرطبی: الجامع الاحکام القران، (مطبعۃ دار الکتب لمصریۃ، ۱۹۵۴ء)، ۲/ ۱۱۳

۸-ایضاً

۹-التحریم ۶۶: ۵

۱۰-ایضاً ۶۶: ۴

۱۱-نسائی: سنن، (المکتبۃ السّلفیہ، لاہور، ۱۹۷۶ء)، ۸۵-۸۶

۱۲-ابن جریر طبری: جامع البیان عن تاویل آی القرآن، (مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، مصر، ۱۹۵۴ء) ۱۱/ ۱۵۶

۱۳-ایضاً

۱۴-ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم، (دار الخیر، بیروت، ۱۹۹۰ء) ۴/ ۴۱۰

۱۵-بخاری: الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب سورۃ التحریم، ۲/ ۷۳۱

۱۶-ابو الاعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن، (ادارۃ القرآن، لاہور، ۱۹۹۴ء) ۶/ ۱۲

۱۷-النساء ۴: ۸۳

۱۸-آلوسی: روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، (مکتبہ امدادیہ، ملتان، بدون تاریخ)، ۳/ ۹۳

۱۹-ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم، ۱/ ۵۸۲

۲۰-الانفال ۸/ ۶۷

۲۱-مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، (ادارۃ المعارف، کراچی، ۲۰۰۰ء)، ۴/ ۲۸۲

۲۲-الھیثمی: موارد الظمان الی زوائد ابن حبان، (مطبۃ السّلفیہ، مکہ مکرمہ، بدون تاریخ)، ۴۱۱

۲۳-مفتی محمد شفیع: معارف القرآن، ۴/ ۲۸۴

۲۴-الانفال ۸: ۶۸

۲۵-ترمذی: الجامع، ابواب التفسیر، ۲/ ۱۳۹

۲۶-محمد حسین ھیکل: حضرت سیدنا عمر فاروقؓ، ۱۰۶

۲۷-التوبہ ۹: ۸۰

۲۸-االتوبہ: ۸۴

۲۹-مسلم: الجامع الصحیح، کتاب فضائل صحابہ، باب فضائل عمرؓ، ۲/ ۲۷۶

۳۰-المومنون ۲۳: ۱۲-۱۴

۳۱-جلال الدین سیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۲ء، ۱/ ۸۹

۳۲-النور ۲۴: ۱۶

۳۳-مفتی محمد شفیع: معارف القرآن ۶/ ۳۶۵

۳۴-شاہ ولی اللہ: ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، (قدیمی کتب خانہ، کراچی، بدون تاریخ)، ۴/ ۹۷

۳۵-البقرۃ ۲: ۹۸

۳۶-سیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، ۱/ ۸۹

۳۷-مفتی محمد شفیع: معارف القرآن، ۱/ ۵۲۲

۳۸-محمد حسین ھیکل: سیدنا عمر فاروقؓ، ۱۱۶

۳۹-البقرۃ ۲: ۲۱۹

۴۰-مفتی محمد شفیع: معارف القرآن ۱/ ۵۲۲

۴۱-محمد حسین ہیکل: سیدنا عمر فاروقؓ، ۱۱۷

۴۲-ترمذی: الجامع، ابواب التفسیر، ۲/ ۱۳۲

۴۳-ایضاً، ۲/ ۱۳۵

۴۴-النساء۴: ۴۳

۴۵-مفتی محمد شفیع: معارف القرآن ۱/ ۵۲۳

۴۶-المائدہ ۵/ ۹۰-۹۱

۴۷-النور ۲۴: ۵۸

۴۸-شاہ ولی اللہ: ازالۃ الخفاء، ۴/ ۸۱

۴۹-السیوطی: الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، (الناشر محمد امین دمج، بیروت، بدون تاریخ) ۵/ ۳۸

۵۰-ابن ابی شیبہ: المصنف، ۱/ ۲۳۱

۵۱-عبدالرزاق: المصنف، (ادارۃ القرآن والعلوم، کراچی، ۱۹۹۶ء)، ۱۰/ ۳۸۱

۵۲-الواقعہ ۵۶: ۱۳-۱۴

۵۳-الواقعہ :۳۹-۴۰

۵۴-مفتی محمد شفیع: معارف القرآن، ۸/ ۲۷۰-۲۷۱

۵۵-ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم، ۴/ ۳۰۰

۵۶-قاضی ثناء اللہ پانی پتی: تفسیر مظہری، (ایچ سعید اینڈ کمپنی، کراچی، بدون تاریخ)، ۱۱/ ۲۵۱

۵۷-ایضاً

فصل دوم

۵۸-طبری: تاریخ الامم والملوک (دار القاموس الحدیث، بیروت، بدون تاریخ)، ۲/ ۲۶۷

۵۹-ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ، ۱/ ۲۴۲

٦٠-ایضاً

٦١-شبلی نعمانی: الفاروق، ٤٦

٦٢-طبری: تاریخ الامم والملوک، ٢/ ٢٩١

٦٣-ایضاً ٢/ ٢٩٣

٦٤-خازن: تفسیر القرآن الجلیل المسمٰی لباب التاویل فی معانی التنزیل، (دار المعرفۃ، بیروت، بدون تاریخ)، ٣/ ٤١

٦٥-احمد بن حنبل: مسند، ١/ ٢٤٦.

٦٦-الانفال ٨: ٦٧-٦٨

٦٧-بخاری: الجامع الصحیح، کتاب التفسیر باب غزوہ احد، ٢/ ٥٧٩

٦٨-ایضاً، کتاب التفسیر، باب الرسول (ﷺ) یدعوکم، ٢/ ٥٨٤

٦٩-ایضاً، ،باب غزوہ احد، ٢/ ٥٨١

٧٠-ابن ھشام: سیرۃ النبویۃ، ٣/ ٩٢

٧١-ابن ھشام: سیرۃ النبویۃ، ٣/ ٩٣

٧٢-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ٢/ ٦٥

٧٣-ایضاً، ٢/ ٧٢

٧٤-ایضاً، ٢/ ٧٣

٧٥-ابن ھشام: سیرۃ النبویۃ، ٣/ ٣١٩

٧٦-بخاری: الجامع الصحیح، کتاب الشروط والمصالحۃ مع اہل الحرب،

٧٧-الفتح ٤٨: ١٨

٧٨-بخاری: الجامع الصحیح، کتاب الشروط والمصالحۃ مع اہل الحرب،

٧٩-ابن ھشام: سیرۃ النبویۃ، ٣/ ٣١٧

۸۰-ابن حجر العسقلانی: فتح الباری بشرح صحیح بخاری، ۷/ ۳۵۰

۸۱-شاہ ولی اللہ: ازالۃ الخفاء، ۳/ ۱۷۶

۸۲-بخاری: الجامع الصحیح، باب غزوہ خیبر، ۲/ ۶۰۵

۸۳-شبلی نعمانی: الفاروق، ۵۶

۸۴-زرقانی: شرح الزرقانی علیٰ موطا الامام مالک، (المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر، ۱۳۷۹ھ)، ۳/ ۶

۸۵-بخاری: الجامع الصحیح، غزوہ حنین، ۲/ ۶۱۹

۸۶-طبری: تاریخ الامم والملوک، ۳/ ۱۶۶۰

۸۷-طبقات ابن سعد، الکبریٰ، ۳/ ۶۱

۸۸-ایضاً

فصل سوم

۸۹-امام حاکم: المستدرک، (مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب، بدون تاریخ) ۲/ ۶۲۶

۹۰-بخاری، کتاب الاذان، باب اذان کی ابتداء، ۱/ ۸۵

۹۱-شبلی، الفاروق، ص ۴۳

۹۲-ابن ابی شیبہ، المصنف، ۱/ ۳۵

۹۳-ایضاً

۹۴-عبد الرزاق، المصنف، ۱/ ۴۸۶

۹۵-ابن ابی شیبہ، ۱/ ۳۳

۹۶-الممتحنہ ۶۰: ۱۰

۹۷-طنطاوی، عمرؓ بن خطاب، ص ۴۸۷

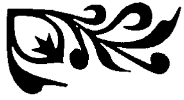
۹۸-التوبہ ۹: ۸۰

۹۹-التوبہ۹:۸۴

۱۰۰-زرقانی،شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک،المکتبہ التجاریہ الکبری،مصر،۱۳۷۹ھ،۲/ ۳۳۷

۱۰۱-ابن ھشام،۲/ ۳۳۵

۱۰۲-ابن جوزی،سیدنا عمر بن خطابؓ،ص۸۸-۸۹




باب سوم

عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

کی اجتہادی آراء




فصل اوّل:

خلافت کے معاملے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تجویز

خلافت کیا ہے:

اللہ تعالیٰ اس پوری کائنات کا اور خود انسان کا اور اُن تمام چیزوں کا خالق ہے جن سے انسان اس دنیا میں فائدہ حاصل کرتا ہے:

"وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط"(۱)

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے۔

اس کائنات میں حاکمیت ایک اللہ کے سوا نہ کسی کی ہے، نہ ہو سکتی ہے اور نہ کسی کا یہ حق ہے کہ حاکمیت میں اس کا کوئی حصہ ہو۔

"اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"(۲)

کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔

"اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" (۳)

فیصلے کا اختیار کسی کو نہیں ہے سوائے اللہ کے۔

"لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ بَعْدُ"(۴)

اللہ ہی کے ہاتھ اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی

"لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ"(۵)

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور سارے معاملات اسی کی طرف رجوع کیے جاتے ہیں۔

مذکورہ آیات قرآنیہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ اطاعت صرف اللہ کی اور پیروی اسی کے

قانون کی ہونی چاہئے۔ اس کو چھوڑ کر دوسروں کی یا اپنی خواہشات نفس کی پیروی ممنوع ہے:

"اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ" (۶)

اے نبی ﷺ، ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے پس تم دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے اس کی بندگی کرو، خبردار دین خالص اللہ ہی کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا وہ قانون جس کی پیروی کا حکم مذکورہ آیات میں دیا گیا ہے۔ انسان تک اُس کے پہنچنے کا ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں۔ وہی اس کی طرف سے اس کے احکام اور اس کی ہدایات انسانوں تک پہنچاتے ہیں اور وہی اپنے قول اور عمل سے ان احکام و ہدایات کی تشریح کرتے ہیں پس رسول اللہ ﷺ انسانی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی قانونی حاکمیت کے نمائندہ ہیں اور اس بنا پر اس کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ (۷)

"وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ" (۸)

اور جس نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔

انسانی حکومت کی صحیح صورت قرآن کی مدد سے صرف یہ ہے کہ ریاست اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی قانونی بالادستی تسلیم کر کے اُن کے حق میں حاکمیت سے دست بردار ہو جائے اور حاکمِ حقیقی کے تحت "خلافت" (نیابت) کی حیثیت قبول کرے۔ (۹)

"یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" (۱۰)

اے داؤد، ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا آپ حق کے ساتھ

لوگوں کے درمیان فیصلے کریں اور خواہش نفس کی پیروی نہ کریں کہ وہ
آپ کو اللہ کے راستے سے بھٹکا لے جائے۔

اس خلافت کا جو تصور قرآن مجید میں دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ زمین میں انسان کو جو قدرتیں بھی حاصل ہیں اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش سے حاصل ہیں اللہ تعالیٰ نے خود انسان کو اس حیثیت میں رکھا ہے کہ وہ اس کی بخشی ہوئی طاقتوں کو اس کے دیئے ہوئے اختیار سے اس کی زمین میں استعمال کرے۔ اس لئے انسان یہاں خود مختار مالک نہیں بلکہ اصل مالک کا خلیفہ ہے:

"وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً" (۱۱)

اور یاد کرو جب کہ آپ ﷺ کے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

مذکورہ قرآن مجید کی جو سیاسی تعلیمات مختصراً بیان کی گئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا کام انہی کو عملی جامہ پہنانا تھا۔ آپ ﷺ کی رہنمائی میں ظہور اسلام کے ساتھ ہی جو مسلم معاشرہ وجود میں آیا اور پھر ہجرت کے بعد سیاسی طاقت حاصل کر کے جس ریاست کی شکل اس نے اختیار کی اس کی بنا انہی تعلیمات پر رکھی گئی تھی۔ اس ریاست کا اولین بنیادی قاعدہ یہ تھا کہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور اہل ایمان کی حکومت دراصل "خلافت" ہے جسے مطلق العنانی کے ساتھ کام کرنے کا حق نہیں ہے۔ بلکہ اس کو لازماً اس قانون خداوندی کے تحت رہ کر ہی کام کرنا چاہئے۔ جس کا مآخذ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہے اس سلسلے میں ارشاداتِ نبوی ﷺ ملاحظہ ہوں:

"عَلَیْکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ اَحِلُّوْا حَلَالَہٗ وَ حَرِّمُوْا حَرَامَہٗ" (۱۲)

تم پر لازم ہے کتاب اللہ کی پیروی، جس چیز کو اس نے حلال کیا ہے اسے حلال کرو اور جسے اس نے حرام کیا ہے اسے حرام کرو۔

"تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَاتَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا کِتَاب

اللهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِه"(۱۳)

میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں جنہیں اگر تم تھامے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت۔

"لَا طَاعَةَ فِیْ مَعْصِیَةٍ، اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ"(۱۴)

اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں ہے اطاعت صرف معروف میں ہے۔

خلافت کے ذیل میں مذکورہ گفتگو سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور انسان کی حیثیت اس کے نائب کی سی ہے اللہ تعالیٰ اگر کسی کو دنیا میں حکمرانی نصیب کریں تو اسے مذکورہ ہدایات کے مطابق عمل کرنا ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ کے آخری ایام:

رسول اللہ ﷺ ماہ صفر ۱۱ ھ کے آخر میں علیل ہو گئے اور یہ علامت مشہور روایات کے مطابق تقریباً ۱۳ دن رہی بیہقی نے سند صحیح ۱۰ دن کی تعداد بیان کی ہے۔ بیماری کی حالت میں بھی آپ ﷺ از راہِ عدل باری باری سے ازواج مطہرات کے گھروں میں بسر فرماتے تھے۔ جب مرض زیادہ بڑھا تو ان سے اجازت لے کر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے یہاں مستقل قیام فرمایا۔

جب تک چلنے کی طاقت رہی، نماز مسجد میں ادا فرماتے رہے، آخری نماز مغرب کی پڑھائی، بعض روایتوں میں ہے کہ ظہر اور عشاء کی نماز کے لئے کئی مرتبہ مسجد کا قصد کیا، مگر مرض کی شدت کی وجہ سے جا نہ سکے، اس لئے حضرت ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معذرت کی کہ وہ رقیق القلب ہیں۔ آپ ﷺ کی جگہ ان سے نہ کھڑا ہوا جائے گا، لیکن آپ ﷺ نے دوبارہ حکم دیا اس کے بعد کئی دن تک حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھاتے رہے۔(۱۵)

عین وفات کے دن نماز فجر کے وقت طبیعت اس قدر بحال تھی کہ آپ ﷺ دروازے تک آئے اور پردہ اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو نہایت محظوظ ہوئے اور تبسم فرمایا۔(۱۶)

وفات کے دن صبح کو آپ ﷺ کی طبیعت بحال دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کی اجازت سے جہاں ان کی بیوی رہتی تھیں، چلے گئے تھے۔ وہاں سے واپس ہوئے تو رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا تھا۔(۱۷)

وصالِ مبارک کے وقت صحابہ کرامؓ کی حالت:

اس عظیم حادثہ نے صحابہؓ اور مقربین خاص کو دیوانہ بنا دیا۔ حضرت عمرؓ کو شدت الم اور فرطِ محبت و عقیدت میں آپ ﷺ کی وفات کا یقین نہ آتا تھا اور وارفتگی کے عالم میں تلوار کھینچ کر کہتے تھے، جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی۔ اس کا سر قلم کر دوں گا۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لائے اور رخ انور سے نقاب اٹھا کر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور رو کر کہا:

> میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں اللہ کی قسم آپ ﷺ پر دو موتیں جمع نہیں ہو سکتیں وہ موت جو آپ ﷺ کے لئے مقدر تھی آ چکی اس کے بعد دوسری موت نہ آئے گی۔(۱۸)

حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی دینی بصیرت:

یہ بڑا نازک وقت تھا اگر سیدنا ابوبکرؓ دینی بصیرت سے کام نہ لیتے تو معلوم نہیں کیا نتائج نکلتے، آپؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا، بیٹھ جاؤ۔ انہوں نے وارفتگی میں کوئی توجہ نہیں کی۔ تو آپؓ نے الگ مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہ بصیرت آموز تقریر فرمائی:

> جو شخص حضرت محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا وہ یہ سمجھ لے کہ آپ ﷺ نے وفات پائی۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کو معبود مانتا ہے تو اسے علم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔(۱۹)

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

”وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط

افائِنۡ مَّاتَ اوۡ قُتِلَ انقلبۡتُمۡ عَلٰی اَعۡقَابِکُمۡ ط وَ مَنۡ یَّنۡقَلِبۡ عَلٰی عَقِبَیۡہِ فَلَنۡ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیۡئًا ط وَ سَیَجۡزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیۡنَ ہ"(۲۰)

اور نہیں محمد (ﷺ) مگر (اللہ کے) رسول، گزر چکے ہیں آپ ﷺ سے پہلے کئی رسول تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید کر دیئے جائیں پھر جاؤ گے تم الٹے پاؤں (دین اسلام سے) اور جو پھرتا ہے اُلٹے پاؤں تو نہیں بگاڑ سکے گا اللہ کا کچھ بھی اور جلدی اجر دے گا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو۔

اس آیت پاک کو سن کر تمام مسلمان چونک پڑے، حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ "خدا کی قسم! ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت اس سے پہلے نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔" حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "حضرت ابوبکرؓ سے یہ آیت سن کر میرے پاؤں ٹوٹ گئے اور کھڑے رہنے کی قوت باقی نہیں رہی، میں زمین پر گر پڑا اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ واقعی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ رحلت فرما گئے ہیں۔(۲۱)

سقیفہء بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع:

مدینہ منورہ میں منافقوں کی جماعت جن کا شعار دوستی کے پردہ میں اسلام کا شیرازہ بکھیرنا تھا، ہمیشہ سے موجود تھی اور ہر موقع پر اپنی اسلام دشمنی کا ثبوت دیتی تھی۔ چونکہ رسول اللہ نے کسی کو اپنا جانشین نامزد فرمایا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اس جماعت کو فتنہ انگیزی کا موقع مل گیا چنانچہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد تجہیز و تکفین سے پہلے ہی منافقین کی سازش سے آپ ﷺ کی جانشینی کا مسئلہ چھڑ گیا اور انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر اس مسئلہ پر سوچنا شروع کر دیا۔

سیدنا عمر فاروقؓ کی بروقت کارروائی:

جانشینی کا مسئلہ ایسے نازک وقت چھڑا تھا کہ اگر فوراً اس کا تدارک نہ کیا جاتا تو بڑی نازک صورتحال پیدا ہو جاتی اور ہو سکتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی ملت اسلامیہ کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا۔

سیدنا فاروق اعظمؓ نے یقیناً سب سے پہلے اس بات پر غور کیا اور حقیقت اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ بہت جلد واضح ہوگئی کہ اگر سہل انگاری سے کام لیا گیا اور فوری طور پر خلیفہ کا انتخاب نہ کیا گیا جو سیاسی امور میں مسلمانوں کی راہنمائی کرے تو ہوسکتا ہے کہ مہاجرین اور انصار میں زبردست اختلاف پیدا ہو جاتا اور ہوسکتا ہے کہ تمام عرب میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھے۔

مسند ابی یعلی میں سیدنا عمرؓ کا بیان نقل کیا گیا ہے کہ آپؓ فرماتے ہیں:

ہم رسول اللہ ﷺ کے گھر مبارک میں بیٹھے تھے کہ دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ ابن الخطاب ذرا باہر آؤ، میں نے کہا کہ چلو ہٹو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے بندوبست میں مشغول ہیں۔ اس نے کہا ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں اس لئے جلد پہنچ کر ان کی خبر لو ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کر اٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے اس وقت میں نے ابوبکرؓ سے کہا کہ چلو۔ (۲۲)

<u>سقیفہ بنی ساعدہ کو روانگی:</u>

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور ان دونوں بزرگوں کے ساتھ امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو بھی ساتھ لے لیا۔ یہ تینوں بزرگ سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے یہاں معاملہ بڑا نازک تھا، انصار کی رائے یہ تھی کہ قریش کے ساتھ ان کی جماعت کا بھی ایک امیر یا نائب الرسول ہونا چاہئے لیکن ایک شخص کے دو جانشین ہونے کے نتائج بالکل ظاہر ہیں اس لئے اس صورت کے قبول کرنے کے معنی خود اپنے ہاتھوں اسلامی نظام کا درہم برہم کرنا تھا۔ یہ ہوسکتا تھا کہ تنہا انصاریوں کو ہی یہ منصب مل جاتا، لیکن اس میں مشکل تھی کہ اولاً خود قریش، پھر دوسرے عرب قبائل قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے تھے کیونکہ قریش جو انصار کو اس قدر حقیر سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں جب انصار ان کے مقابلے کو نکلے تو عتبہ نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا کہ محمد (ﷺ) ہم صرف اپنے ہم مرتبہ سے لڑ سکتے ہیں۔ (۲۳) کسی طرح انصار کے آگے سر تسلیم خم نہیں کر سکتے تھے پھر انصاریوں میں اوس و خزرج دو مقابل جماعتیں موجود تھیں ان میں سے جسے بھی یہ منصب دیا جاتا، دوسرا اسے تسلیم نہ کرتا۔

نازک صورت حال:

سقیفہ بنی ساعدہ میں صورت حال نازک موڑ پر پہنچ چکی تھی کہ سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کی حلیم شخصیت کام آئی اور آپ ؓ نے نہایت نرمی اور آشتی سے انصار کو سمجھایا اور یہ تقریر فرمائی:

''مجھے تم لوگوں کے فضائل و مناقب اور تمہاری خدمات اسلامی سے انکار نہیں لیکن عرب قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کی سیادت تسلیم نہیں کر سکتے، پھر مہاجرین اپنے تقدم فی الاسلام اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاندانی تعلق کی بنا پر آپ ﷺ کی جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں، یہ ابو عبیدہ اور عمر بن الخطاب موجود ہیں ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو۔''(۲۴)

سیدنا عمر فاروق ؓ کی فراست:

حضرت عمر ؓ نے دیکھا کہ لوگوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اسے جڑ پکڑنے کی مہلت نہیں دینی چاہئے۔ آپ ؓ اٹھے اور غضبناک آواز میں فرمایا:

''ابو بکر! اپنا ہاتھ بڑھائیے''

حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور حضرت عمر فاروق ؓ نے یہ کہتے ہوئے بیعت کر لی:

''ابو بکر ؓ! کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم نہیں فرمایا تھا کہ آپ ؓ مسلمانوں کو نماز پڑھانے میں امام بنئے۔ آپ ؓ خلیفہ رسول ﷺ ہیں اور ہم آپ ؓ کے ہاتھ پر اس لئے بیعت کر رہے ہیں کہ آپ ؓ ہم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے۔''(۲۵)

حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی شخصیت ہر جماعت میں ایسی محترم تھی کہ اس انتخاب پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تھا اور اس پر مستزاد سیدنا فاروق اعظم ؓ کی بیعت، پھر اس بیعت کے ساتھ ہی مسلمان بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ اکابر صحابہ ؓ نے بھی بیعت کی ان میں حضرت عثمان ؓ، حضرت ابو عبیدہ بن جراح ؓ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف ؓ وغیرہ شامل ہیں۔ اس کارروائی سے ایک اٹھتا ہوا طوفان رک گیا اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے۔

اس نازک موڑ پر سیدنا ابو بکر ؓ کی برمحل تقریر اور سیدنا عمر فاروق ؓ کی بیعت میں پیش قدمی ان دونوں

بزرگوں کی فراست کا بین ثبوت ہے اس طرح ایک زبردست انقلاب ہوتے ہوتے بچ گیا۔

سقیفہ بنی ساعدہ کی بیعت کے بعد مسجد نبوی (علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام) میں عام بیعت ہوئی۔

حاصل مطالعہ:

رسول اللہ ﷺ کے وصال شریف کے بعد یہ سیدنا عمرؓ کا پہلا موقف تھا جس میں دوراندیشی، سلامت نظر اور حسن سیاست جھلکتی تھی اور ساتھ ساتھ آپؓ کی قائدانہ صلاحیتوں کا بھی بھرپور اظہار ہوتا تھا آپؓ کی تمام تر توجہ جماعت کی بھلائی اور حسن انتظام پر تھی۔ ابھرتی ہوئی سلطنت کی سیاسی راہنمائی کی بھرپور صلاحیت موجود تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے فوراً بعد سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ بنا دینا سیدنا عمرؓ کی فراست کا اہم ترین اظہار ہے کیونکہ ایسا کرنے سے مہاجرین اور انصار کا اختلاف ختم ہو گیا اور تمام عرب قبائل میں بغاوت کی آگ بھڑکنے کا امکان ختم ہو کے رہ گیا۔ اس طرح انہوں نے ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہونے سے بچا لیا۔ یہ ان کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

فصل دوم:

جمع وتدوین قرآن میں سیدنا عمر فاروقؓ کا کردار

جمع وتدوین قرآن، قرآن کی روشنی میں:

جو قرآن مجید اس وقت ہمارے سامنے ہے وہ بالکل وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر جبریل امین علیہ السلام کی وساطت سے نازل فرمایا اور اسی ترتیب وشکل میں موجود ہے جس میں سرور کائنات ﷺ نے اپنے سامنے اس کی کتابت کرائی، صحابہ کرامؓ کو حفظ کروایا، خود تلاوت کی اور صحابہ کرامؓ کو اس کی تلاوت کی تلقین فرمائی۔ اس کی ترتیب میں نہ کوئی تبدیلی ہوئی، نہ کوئی کمی بیشی عمل میں آئی اور نہ حروف وکلمات میں کسی قسم کا ردوبدل کیا گیا۔

قرآن مجید کی جمع وتدوین اور حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَہٗ وَ قُرۡاٰنَہٗ"(۲۶)

یعنی (اے رسول اکرم ﷺ) بلاشبہ اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ہی ذمے ہے۔

جمع قران مجید کی دو قسمیں ہیں:

۱:۔جمع صدور　　　　۲:۔جمع مکتوب

۱:۔جمع صدور:

یعنی قرآن کو سینوں میں محفوظ کر دینا اس بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

"بَلۡ ہُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیۡ صُدُوۡرِ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ ؕ"(۲۷)

یہ قرآن مجید روشن وواضح آیات کا مجموعہ ہے جو اصحاب علم کے سینوں میں محفوظ ہے۔

۲:۔جمع مکتوب:

اس سے مراد تحریر وکتابت کی صورت میں قرآن کی حفاظت اور تدوین ہے۔قرآن مجید کی جمع وکتابت اور تدوین وحفاظت کا ذکر مکی سورتوں میں بھی کیا گیا ہے اور مدنی سورتوں میں بھی۔

عہد رسالت ﷺ میں کتابت کا طریقہ:

عہد رسالت میں ملک عرب میں کاغذ کی قلت تھی۔لوگ مختلف چیزوں پر کتابت کرتے تھے۔کاغذ میسر آ گیا تو کاغذ پر لکھ لیا ورنہ کھجور کے پتوں، مختلف قسم کی لکڑی، اونٹ کی چوڑی چوڑی، باریک اور بہتر چمڑے اور اچھی کھال پر کتابت کرتے تھے۔اس کے علاوہ کپڑے اور پتھر کو بھی اس کے لئے استعمال میں لاتے تھے۔قرآن مجید کی کتابت بھی اسی رواج کے مطابق مختلف چیزوں پر کی جاتی تھی۔یعنی فوری طور پر جو چیز میسر آ گئی اس پر لکھ لیا خود قرآن مجید نے اس پر روشنی ڈالی ہے:

"وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ٥ فِىْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ٥ "(۲۸)

یعنی یہ کتاب (قرآن مجید) کشادہ اوراق میں لکھی ہوئی ہے۔

اہل عرب کے نزدیک "رق" کا لفظ اس باریک چمڑے پر بولا جاتا تھا جس پر گزشتہ زمانے میں کتابیں ضبط تحریر میں لائی جاتی تھیں۔"(۲۹)

"بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ٥ فِىْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ٥ "(۳۰)

یہ قرآن مجید بلند شان والا ہے، لوح محفوظ میں لکھا ہوا۔

لوح کے معنی ہیں۔کندھے کی چوڑی ہڈی۔(۳۱)

جمع وتدوین قرآن، حدیث کی روشنی میں:

عہد نبوت (ﷺ) میں قرآن مجید کی باقاعدہ جمع کتابت کا ثبوت مندرجہ ذیل احادیث سے ملتا ہے:

حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"أَعْطُوا أَعْيُنَكُمْ حَقَّهَا مِنَ الْعِبَادَةِ النَّظَرُ فِي الْمُصْحَفِ وَالتَّفَكُّرُ"(۳۲)

یعنی آنکھوں کو ان کی عبادت کا حق دو اور وہ ہے قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنا اور اس میں غور وفکر کرنا۔

حضرت عبادہؓ بن صامت راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

"أَفْضَلُ عِبَادَةِ أُمَّتِي قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ نَظَرًا"(۳۳)

میری امت کی افضل عبادت قرآن مجید کی دیکھ کر تلاوت کرنا ہے۔

حضرت اوسؓ ثقفی رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

"قِرَاءَةُ الرَّجُلِ الْقُرْآنَ فِي غَيْرِ الْمُصْحَفِ أَلْفُ دَرَجَةٍ، وَقِرَاءَتُهُ فِي الْمُصْحَفِ تُضَاعَفُ عَلَى ذَالِكَ إِلَى أَلْفَي دَرَجَةٍ"(۳۴)

بغیر قران مجید دیکھے اس کی تلاوت کا اجر ایک ہزار نیکی ہے اور قرآن مجید سے دیکھ کر تلاوت کرنے کا دو ہزار نیکی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں:

"مَنْ أَدَامَ النَّظَرَ فِي الْمُصْحَفِ مُتِّعَ بِبَصَرِهِ مَادَامَ فِي الدُّنْيَا"(A-۳۴)

جو شخص قرآن مجید کی تلاوت ہمیشہ قرآن مجید کو دیکھ کر کرے گا اس کی بصارت ہمیشہ باقی رہے گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد روایت فرماتے ہیں:

"مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُحِبَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ فَلْيَقْرَأْ الْمُصْحَفَ (۳۵)

جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت قائم رکھنے کا خواہاں ہے
اسے قرآن مجید کی تلاوت دیکھ کر کرنے چاہئے۔

مذکورہ احادیث مبارکہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ عہد رسالت ﷺ میں قرآن مجید لکھا ہوا موجود تھا تبھی دیکھ کر پڑھنے کی فضیلتیں بیان فرمائی گئیں۔اس کے علاوہ بھی عہد نبوی ﷺ کے کئی واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے پاس قرآن مجید متفرق طور پر لکھا ہوا موجود تھا۔

مکہ مکرمہ میں سیدنا عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ بڑا مشہور ہے۔کتب رجال وسیر میں تفصیل سے مرقوم ہے۔ وہ اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر گئے تو وہ قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ابتدا میں ان کے درمیان کچھ تیز تیز گفتگو ہوئی۔ مگر بعد کو سیدنا عمرؓ پر حقیقت حال منکشف ہوئی تو کہا:

"اَعْطُوْنِی الْکِتَابَ الَّذِیْ عِنْدَکُمْ اَقْرَأهٗ"

یعنی کہ قران مجید، جو بصورت کتاب تمہارے پاس موجود ہے، مجھے بھی دو تاکہ میں اس کو پڑھوں۔

ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے:

" کَانَ النَّبِیُّ ﷺ مِمَّا تَنَزَّلُ عَلَیْهِ الْاٰیَاتُ فَیَدْعُوْ بَعْضَ مَنْ یَّکْتُبُ لَهٗ وَ یَقُوْلُ لَهٗ: ضَعْ هٰذِهِ الْاٰیَةَ فِی السُّوْرَةِ الَّتِیْ یُذْکَرُ فِیْهَا کَذَا وَ کَذَا."(۳۶)

جب رسول اللہ ﷺ پر آیات نازل ہوتیں تو کسی کاتب وحی کو بلاتے اور اسے فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں لکھو۔

عہد رسالت ﷺ میں جمع وتدوین قرآن کے طریقے:

عہد رسالت ﷺ میں جمع وتدوین قران اور حفاظتِ قرآن درج ذیل طریقوں سے کی گئی۔

(الف) حافظہ:

قرآن مجید چونکہ ایک ہی دفعہ پورا کو پورا نازل نہیں ہوا بلکہ بتدریج نازل ہوتا رہا۔اللہ تعالیٰ نے قران

کریم کو دوسری آسمانی کتابوں کے مقابلہ میں یہ امتیاز عطا فرمایا تھا کہ اس کی حفاظت قلم اور کاغذ سے زیادہ حفاظ کے سینوں سے کرائی چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا:

"وَ اَنْزَلْتَ عَلَیْکَ کِتَابًا لَّا یَغْسِلُهُ الْمَآءُ"(۳۷)

یعنی میں آپ ﷺ پر ایک ایسی کتاب نازل کرنے والا ہوں جسے پانی نہیں دھو سکے گا۔

چنانچہ ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ زور حافظہ پر دیا گیا۔

(ب) رمضان المبارک میں قرآن کا دور:

رسول اللہ ﷺ کا سینہ مبارک قران مجید کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ تھا، جس میں کسی ادنیٰ غلطی یا ترمیم و تغیر کا امکان نہیں تھا۔ پھر آپ ﷺ مزید احتیاط کے طور پر ہر سال رمضان المبارک کے مہینے میں حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن سنایا کرتے تھے اور جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس سال آپ ﷺ نے دومرتبہ حضرت جبرئل علیہ السلام کے ساتھ دور کیا۔(۳۸)

(ج) قرآن کریم کی تعلیم:

آپ ﷺ صحابہ کرام ؓ کو قران مجید کے صرف معانی کی تعلیم ہی نہیں دیتے تھے بلکہ انہیں اس کے الفاظ بھی یاد کراتے تھے اور خود صحابہ کرام ؓ کو قرآن سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا اتنا شوق تھا کہ ہر شخص اس معاملہ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا تھا۔ بعض عورتوں نے اپنے شوہروں سے سوائے اس کے کوئی مہر طلب نہیں کیا کہ وہ انہیں قران مجید کی تعلیم دیں گے۔

سینکڑوں صحابہ ؓ نے اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کیا ہوا تھا کہ وہ قران مجید کو نہ صرف یاد کرتے بلکہ راتوں کو نماز میں اسے دہراتے رہتے تھے۔

حضرت عبادہ ؓ بن صامت فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آتا تو اسے ہم انصاریوں میں سے کسی کے حوالے فرما دیتے تاکہ وہ اسے قران سکھائے اور مسجد نبوی ﷺ میں قرآن سیکھنے اور سکھانے والوں کی آوازوں کا اتنا شور ہونے لگا کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ تاکید فرمانی پڑی کہ اپنی آوازوں کو آہستہ

رھیں تا کہ کوئی مغالطہ پیش نہ آئے۔(۳۹)

(د) کثیر حفاظ:

اہل عرب اپنی حیرت انگیز قوتِ حافظہ کی وجہ سے دنیا بھر میں ممتاز تھے۔ اور انہیں صدیوں کی گمراہی کے بعد قرآن مجید جیسی منزل ہدایت نصیب ہوئی تھی جسے وہ اپنی زندگی کی سب سے عزیز پونجی تصور کرتے تھے۔ چنانچہ قلیل مدت میں صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی بڑی جماعت تیار ہوگئی جسے قرآن مجید از بر یاد تھا۔ کثیر حفاظ صحابہ کرامؓ کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بعض اوقات ایک قبیلے میں ستر ستر قاری قرآن کی تعلیم کے لئے بھیجے ہیں، چنانچہ صرف غزوہ بئر معونہ کے موقع پر ستر قراء صحابہ ﷺ کے شہید ہونے کا ذکر روایات میں موجود ہے اور حفاظ صحابہؓ کی تقریباً اتنی ہی تعداد آپ ﷺ کے بعد جنگِ یمامہ میں شہید ہوئی۔(۴۰)

بلکہ ایک روایت تو یہ ہے کہ جنگِ یمامہ کے موقع پر سات سو قراء صحابہؓ شہید ہوئے تھے۔(۴۱)

(ح) کتابت قرآن کا اہتمام (کاتبین وحی):

حفاظت قرآن کا اصل مدار تو اگرچہ حافظہ پر تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ آنحضرت ﷺ نے قرآن کی کتابت کا بھی خاص اہتمام فرمایا۔ اس مقصد کے لئے آپ ﷺ نے بہت سے صحابہؓ کو مقرر فرمایا ہوا تھا جو حسب ضرورت کتابتِ وحی کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ کاتبین وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے۔(۴۲)

کاتبین وحی میں سے چند مشہور صحابہؓ کے نام یہ ہیں:

حضرت ابوبکرؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی المرتضیٰؓ، امیر معاویہؓ، زیدؓ بن ثابت، ابیؓ بن کعب، خالدؓ بن ولید، اور ثابتؓ بن قیس۔(۴۳)

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ ﷺ کاتب وحی کو یہ ہدایت بھی فرمادیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں فلاں آیات کے بعد لکھا جائے۔(۴۴)

محدث حاکمؒ نے مستدرک میں زیدؓ بن ثابت سے بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق روایت کیا ہے کہ زیدؓ

بن ثابت نے کہا ہم عہد رسالت میں ''رقاع'' (ٹکروں) سے قرآن جمع کیا کرتے تھے۔(۴۵)

مذکورہ حدیث میں ''رقاع'' کا جو لفظ وارد ہوا ہے یہ رقعہ (ٹکڑا) کی جمع ہے۔ اس کا اطلاق چمڑے، کپڑے اور کاغذ کے ٹکڑے پر کیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ کاتبینِ وحی عہد رسالت میں کتابت کے لئے کس قسم کا سامان استعمال کرتے تھے چنانچہ نازل شدہ قرآن کریم کو پتھر کی باریک اور چوڑی سلوں، کھجور کی ٹہنیوں، اونٹ یا بکری کے شانہ کی ہڈیوں، اونٹ کے کجاوہ کی لکڑیوں اور چمڑہ کے ٹکڑوں پر تحریر کیا جاتا تھا۔(۴۶)

جمع وتدوین قرآن میں سیدنا عمر فاروقؓ کا کردار:

گزشتہ سطور میں عہد رسالت ﷺ میں جمع وتدوین قرآن اور حفاظت قرآن کے بارے میں مختصراً تحریر کیا گیا اس عہد میں قرآن مجید کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے ان کی کیفیت یہ تھی کہ یا تو وہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے، کوئی آیت چمڑے پر، کوئی درخت کے پتے پر، کوئی ہڈی پر، زیادہ مکمل نسخے نہیں تھے۔ کسی صحابیؓ کے پاس ایک سورت لکھی ہوئی تھی۔ کسی کے پاس دس پانچ سورتیں اور کسی کے پاس صرف چند آیات اور بعض صحابہؓ کے پاس آیات کے ساتھ تفسیری جملے بھی لکھے ہوئے تھے۔

سیدنا عمر فاروقؓ کا غور وفکر:

حضرت عمرؓ اسلام کے معاملات پر ہر وقت پورے انہماک سے غور وفکر کرتے رہتے تھے اور ان کا یہی غور وفکر تھا کہ اسلام کے بھلائی کے لئے نئے نئے خیال ان کے ذہن میں آتے رہتے تھے۔ عہد صدیقیؓ میں قرآن مجید کے منتشر حصوں کو یک جا کر کے محفوظ کرنا ضروری سمجھا گیا اور یہ خیال سب سے پہلے سیدنا عمر فاروقؓ کے ذہن میں آیا اور اس خیال کو قوی محرک درج ذیل واقعہ بنا۔

جنگ یمامہ:

یہ جنگ ذوالحجہ ۱۱ھ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں یمامہ کے مقام پر مرتدین کے خلاف لڑی گئی تھی۔ مسلمانوں کی طرف سے سربراہ فوج حضرت خالدؓ بن ولید تھے اور اہل ردہ کا سرغنہ مسیلمہ کذاب تھا۔

اس جنگ میں ستر حفاظِ قرآن صحابہؓ نے شہادت پائی، اگر جنگوں کا سلسلہ یونہی جاری رہا اور ان میں حفاظ شہید ہوتے رہے تو کیا ہوگا؟ یہ موضوع تھا جس پر سیدنا عمر فاروقؓ نے سوچنا شروع کیا اور آخر کار انہیں یہ حل نظر آیا۔ آپؓ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے پاس گئے جو اس وقت مسجد نبویؐ میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے کہا:-

''جنگ یمامہ میں بکثرت حفاظ جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر دیگر جنگوں میں بھی شہادت کا سلسلہ ایسے ہی جاری رہا تو قرآن کا بہت سا حصہ ان کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ میں مشورہ دیتا ہوں کہ قرآن مجید کے جمع کرنے کا حکم صادر فرمائیں''(۴۷)

صحیح بخاری میں حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ جنگ یمامہ کے بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے مجھے بلا بھیجا۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا عمرؓ میرے یہاں آئے اور کہا ''جنگ یمامہ میں کثیر حفاظ قرآن نے شہادت پائی ہے۔ اگر حفاظِ قرآن کی شہادت کا یہی عالم رہا تو قرآن کا کافی حصہ ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے۔ اس لئے قران کو یک جا کر لینا چاہئے۔'' میں نے عمرؓ سے کہا: ''ہم وہ کام کیسے کر سکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟'' عمرؓ نے کہا: ''بخدا یہ بہتر کام ہے۔'' عمرؓ مجھ سے بار بار یہ مطالبہ کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں مجھے شرح صدر سے نوازا۔ آپؓ ایک دانشمند نوجوان ہیں۔ ہمیں آپؓ پر کوئی بدگمانی نہیں۔ آپؓ عہد رسالت ﷺ میں کاتب وحی رہ چکے ہیں اس لئے قرآن کو ہوش کر کے جمع کیجئے۔'' حضرت زید کا بیان ہے کہ ''بخدا اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ مجھے کسی پہاڑ کو اس کی جگہ سے نقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ میرے لئے اس ذمہ داری کی نسبت آسان تر ہوتا۔ میں نے کہا آخر آپؓ ایسا کام کیوں کر کریں گے جو آنحضور ﷺ نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: ''بخدا یہ بہتر ہے''۔ پھر حضرت ابوبکرؓ بتاکید یہی بات کہتے رہے۔ حتیٰ کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرح مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں شرح صدر عطا کیا۔

میں نے قرآن کو پتھر کی باریک سلوں، کھجور کی ٹہنیوں اور آدمیوں کے سینوں سے تلاش کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سورہ توبہ کا آخری حصہ مجھے ابوخزیمہ انصاری کے پاس ملا، کسی اور سے نہ مل سکا۔ وہ آیت یہ تھی:

''لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ''

سورۃ توبہ کے آخر تک۔ میرے تحریر کردہ صحیفے حضرت ابو بکرؓ کی وفات تک ان کے پاس رہے۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہے۔ ان کی شہادت کے بعد یہ صحیفے ام المومنین حضرت حفصہؓ کی تحویل میں آ گئے۔(۴۸)

حضرت زیدؓ بن ثابت کا طریقہ کار:

سیدنا فاروق اعظمؓ کے مشورے سے پہلی دفعہ جمع قرآن کا سرکاری سطح پر اہتمام ہوا۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ اس کارِ عظیم کا سرانجام دیا۔ یہ اعلان کر دیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآن مجید کی کوئی آیات لکھی ہوئی موجود ہوں وہ حضرت زیدؓ کے پاس لے آئے اور جب کوئی شخص ان کے پاس قرآن مجید کی کوئی لکھی ہوئی آیت لے کر آتا تو مندرجہ ذیل چار طریقوں سے اس کی تصدیق کرتے تھے۔

چار طریقے:

۱:- سب سے پہلے اپنی یادداشت سے اس کی توثیق کرتے تھے۔

۲:- پھر حضرت عمرؓ بھی حافظ قرآن تھے۔ اور روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ان کو بھی اس کام میں حضرت زیدؓ کے ساتھ لگا دیا تھا۔ اور جب کوئی شخص کوئی آیت لے کر آتا تھا تو حضرت زیدؓ اور حضرت عمرؓ دونوں مشترک طور پر اسے وصول کرتے تھے۔(۴۹)

لہٰذا حضرت زیدؓ کے علاوہ حضرت عمرؓ بھی اپنے حافظہ سے اس کی توثیق فرماتے تھے۔

۳:- کوئی لکھی ہوئی آیت اس وقت تک قبول نہ کی جاتی تھی جب تک دو قابل اعتبار گواہوں نے اس بات کی گواہی نہ دے دی ہو کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھی، علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ گواہیاں اس بات پر لی جاتی تھیں کہ یہ لکھی ہوئی آیت آنحضرت ﷺ کی وفات کے سال آپ ﷺ پر پیش کر دی گئی تھی اور آپ ﷺ نے اس بات کی تصدیق فرما دی تھی کہ یہ ان حروف سبعہ کے مطابق ہے جن پر قرآن مجید نازل ہوا ہے۔(۵۰)

۴:- اس کے بعد ان کی لکھی ہوئی آیتوں کا ان مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا تھا جو مختلف صحابہؓ نے تیار کر رکھے تھے۔(۵۱)

امام ابو شامہؒ فرماتے ہیں کہ اس طریق کار کا مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید کی کتابت میں زیادہ سے زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے۔ اور صرف حافظہ پر اکتفا کرنے کی بجائے بعینہ اُن آیات سے نقل کیا جائے جو آنحضورﷺ کے سامنے لکھی گئی تھیں۔(۵۲)

حضرت زید بن ثابتؓ نے نہایت احتیاط کے ساتھ آیات قرآنی کو جمع کر کے انہیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا۔(۵۳)

یہ کام ایک سال کی مدت میں تکمیل پذیر ہوا۔ ہر سورۃ علیحدہ صحیفے میں لکھی گئی، اس لئے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں میں مشتمل تھا۔ اصطلاح میں اس نسخہ کو ''اُم'' کہا جاتا ہے۔

تدوین قرآن کے نظریہ کے موجد:

سیدنا عمر فاروقؓ تدوین قرآن کے نظریہ کے موجد ہیں کیونکہ یہ کام آپؓ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا۔ بلاشبہ اس نظریہ کی عملی تکمیل کی سعادت حضرت زید بن ثابتؓ کے لئے مقدر تھی، اور سب سے بڑھ کر فضیلت سیدنا ابوبکرؓ کو حاصل ہوئی جن کے عہد خلافت میں یہ مبارک کام پایہ تکمیل تک پہنچا۔

حضرت سیدنا عمر فاروقؓ نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو قرآن مجید جمع کرنے کا مشورہ دیا تھا اور انہیں دلیل سے مطمئن بھی کر دیا گیا۔ اگر سیدنا عمر فاروقؓ ان کی طرف توجہ نہ فرماتے کہ یمامہ کی طرح دیگر جنگوں میں حفاظ کے جام شہادت نوش فرمانے سے قرآن مجید کا بیشتر حصہ ختم ہو جائے گا تو حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ قران کے جمع کرنے کی شائد فکر نہ کرتے اور نہ اس کے لئے کوئی عملی قدم اٹھاتے بلکہ آپؓ نے تو یہ فرمایا تھا۔

''میں وہ کام کیسے کروں جو کہ رسول اللہﷺ نے نہیں کیا۔''

اس لئے مسلمان قرآن مجید کی جمع و ترتیب کے لئے جس قدر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے مرہون منت ہیں اسی قدر سیدنا فاروق اعظمؓ کے بھی احسان مند ہیں۔ یہ سیدنا عمرؓ کی روحانی عظمتوں کی صرف ایک جھلک ہے۔ لیکن ایسی جھلک جو اپنی جلالت اور خیر و برکت کے اعتبار سے ان کی تمام جھلکیوں سے افضل اور بڑی ہے۔

فصل سوم:

عہد صدیقیؓ میں سیدنا عمر فاروقؓ کی بصیرت کی دیگر مثالیں

سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کے باہمی تعلقات:

سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ ایک دوسرے کا بے حد احترام کرتے تھے۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ اکثر سیدنا عمر فاروقؓ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ جب حضرت اسامہ بن زیدؓ کا لشکر روانہ ہوا جس میں جلیل القدر مہاجرین وانصار شامل تھے۔ اس لشکر میں سیدنا عمرؓ کی حیثیت ایک عام سپاہی جیسی تھی جو لشکر کے امیر حضرت اسامہ بن زیدؓ کے حکم کے تابع تھے۔ سیدنا ابو بکرؓ لشکر کو رخصت کرنے اور ضروری ہدایات دینے لئے ساتھ گئے۔ جب واپس ہونے لگے تو آپؓ نے حضرت اسامہؓ سے فرمایا:

> ''اے اُسامہ! اگر مناسب سمجھو تو سیدنا عمر فاروقؓ کو میری مدد کے لئے چھوڑ دو۔''

امیر لشکر حضرت اسامہؓ نے سیدنا عمر فاروقؓ کو اجازت دے دی کہ آپؓ لشکر سے نکل کر سیدنا ابو بکرؓ کے پاس واپس تشریف لے جائیں۔ اس بات سے سیدنا ابو بکرؓ کی سیدنا عمر فاروقؓ سے محبت کا ثبوت ملتا ہے۔

اس کے علاوہ گزشتہ صفحات میں ہم نے ملاحظہ کیا کہ خلافت کے معاملہ میں سیدنا عمر فاروقؓ نے سیدنا ابو بکر صدیقؓ کا بھرپور ساتھ دیا اور جمع وتدوین قرآن کے سلسلہ میں سیدنا ابو بکرؓ نے سیدنا عمرؓ کے مشورہ کو قبول فرمایا۔

سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے بعض افعال پر سیدنا عمر فاروقؓ کا استفسار:

ابن سیرینؒ نے عبیدہ سے روایت کیا ہے کہ عینیہ بن حصین اور اقرع بن حابس دونوں سیدنا ابو بکرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارے پاس بنجر اور بے آب وگیاہ زمین کا ٹکڑا ہے اگر آپؓ مناسب سمجھیں تو یہ زمین ہم لوگوں کے نام لکھ دیں تا کہ ہم اس زمین کو جوت لیں اور اسے اپنے لئے نفع بخش بنالیں۔ سیدنا ابو بکرؓ نے اہل مجلس سے

مشورہ کیا اور اس کے بعد یہ زمین ان حضرات کے نام لکھ دی اور سند پر سیدنا عمرؓ کو گواہ بنایا، جو اس وقت موجود نہ تھے۔ یہ دونوں حضرات سیدنا عمرؓ کے پاس گئے تاکہ دستاویز پر گواہی ڈالیں۔ جب سیدنا عمرؓ نے اس دستاویز کے الفاظ کو سنا تو ان لوگوں کے ہاتھ سے دستاویز لے کر چاک کر دی اس پر وہ دونوں حضرات بے حد ناراض ہوئے۔

سیدنا عمر فاروقؓ نے فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ جس زمانے میں تم لوگوں کی دلجوئی کرتے تھے وہ آج کے عہد سے مختلف تھا۔ مگر اب جبکہ اسلام کو غلبہ حاصل ہو چکا ہے تمہیں خود محنت کرنی چاہئے اگر تم ایسا کرو گے یعنی اپنی محنت پر بھروسہ کرو گے تو اللہ تمہاری دستگیری فرمائے گا۔'' یہ دونوں سیدنا ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور شکوہ کیا کہ خلیفہ آپؓ ہیں یا عمرؓ! سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

''نہیں عمرؓ جب چاہیں اختیاراتِ خلافت استعمال کر سکتے ہیں۔''

تھوڑی دیر بعد سیدنا عمرؓ تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ زمین آپؓ کی ذاتی ملکیت ہے یا اس پر مسلمانوں کو من حیث القوم مالکانہ حقوق حاصل ہیں؟ سیدنا ابوبکرؓ نے فرمایا: ''نہیں یہ زمین مسلمانوں کی ملک ہے'' سیدنا عمرؓ نے پوچھا ''تو پھر آپؓ نے ان دونوں کو کیوں دے ڈالی۔'' سیدنا ابوبکرؓ نے فرمایا ''حاضرین مجلس سے میں مشورہ کیا تھا اور سب نے مجھے یہی رائے دی تھی۔'' سیدنا عمرؓ نے فرمایا ''کیا اس مشورے میں پوری امتِ مسلمہ شریک تھی'' اس پر صدیق اکبرؓ نے فرمایا: ''میں نے تو تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ خلافت کا بار تم مجھ سے بہتر طور پر اٹھا سکتے ہو مگر تم نے خود ہی مجھے مجبور کیا کہ میں اس بار کو قبول کروں!'' (۵۴)

منصب قضاء:

سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروق اعظمؓ کی خوبیوں اور انصاف پسندی سے بخوبی آگاہ تھے۔ اسی لئے آپؓ نے فاروق اعظمؓ کو منصب قضا پر فائز کیا۔ ابراہیم نخعیؒ کا بیان ہے:

سب سے پہلی ذات جسے سیدنا ابوبکرؓ نے امت میں ایک اہم منصب سونپا وہ فاروق اعظمؓ کی ذات تھی جنہیں اسلامی تاریخ کا پہلا قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔ (۵۵)

آپؓ دو سال تک اس منصب پر فائز رہے لیکن اس زمانہ میں ایک مقدمہ بھی آپؓ کی عدالت میں نہیں

تھے۔لیکن یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے انصاف کی مشہوری نے بھی کافی حد تک مقدمہ بازی کے رجحان کا خاتمہ کر دیا تھا۔جو چیزیں لوگوں کو عدالت میں جانے سے عام طور پر اکساتی ہیں ان میں سرفہرست کسی غیر مستحق کی یہ امید ہوتی ہے کہ وہ جج کو چکمہ دے کر یا کوشش اور شفاعت کے ذریعہ سے اس کی ہمدردیاں حاصل کر کے اپنا مقصد حاصل کر لے گا۔لیکن سیدنا عمرؓ کے بارے میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تصور نہیں کر جا سکتا تھا کہ وہ حق کے مقابلے میں کسی کی بے جا حمایت کر سکتے ہیں۔

شام کی فتح کے سلسلہ میں مشورہ:

سیدنا ابوبکر صدیقؓ حکومت کے معاملات مشورے سے چلاتے اور خصوصاً سیدنا عمر فاروقؓ سے مشورہ ضرور لیتے۔عہد صدیقیؓ میں جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے عراق میں پیش قدمی کی اور کامیابی نے ان کے قدم چومے تو سیدنا ابوبکرؓ کے دل میں شام فتح کرنے کا خیال پیدا ہوا۔چنانچہ آپؓ نے مشورہ کے لئے اہل الرائے کو بلایا جن میں سیدنا عمر فاروقؓ بھی تھے۔سیدنا ابوبکرؓ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ شام پر حملے کا پختہ ارادہ کر چکے تھے لیکن آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔اب جو اس جنگ میں حصہ لے گا اور جام شہادت نوش کرے گا وہ حقیقتاً شہید ہوگا اور جو زندہ رہے گا وہ دین کی حفاظت اور دین کی مدافعت میں زندہ رہے گا اور اسے بھی ثواب ملے گا۔

پھر آپؓ نے اس بارے مشورہ طلب کیا۔سیدنا عمر فاروقؓ نے سب سے پہلے جواب دیتے ہوئے فرمایا:
''واللہ! ہم نے جب بھی بھلائی کی طرف قدم رکھا آپؓ ہم پر سبقت لے گئے۔اللہ گواہ ہے یہی بات میں بھی آپؓ سے کہنے والا تھا، لیکن بارگاہِ خداوندی میں منظور نہ ہوا اور اب آپؓ نے خود ہی اس کا تذکرہ کر دیا۔اللہ نے آپؓ کے لئے راستی اور فتح مندی کی راہیں کشادہ کر دی ہیں۔گھوڑوں کے پیچھے گھوڑے، پیادوں کے پیچھے پیادے اور فوجوں کے پیچھے فوجیں بھیجئے۔اللہ تعالیٰ اپنے دین کا مددگار، اسلام اور مسلمانوں کا محافظ اور اپنے محبوب ﷺ سے کئے ہوئے وعدے کا پورا کرنے والا ہے۔''

حاضرین کے دل کو گرمانا:

سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی یہ باتیں سن کر بھی حاضرین کے دل میں اس دعوت کے لئے کوئی جوش پیدا نہ ہوا۔ بلکہ وہ باہم طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔ حقیقت میں ان پر روم کی ہیبت چھائی ہوئی تھی۔ جب ان کی باتیں ختم ہوئیں تو سیدنا ابو بکرؓ نے تیاری کا حکم دیا لیکن وہ خاموش رہے۔ اب سیدنا عمرؓ سے رہا نہ گیا اور گرج کر کہنے لگے: ''مسلمانوں تم کو کیا ہوگیا ہے؟ تم رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ کو جواب کیوں نہیں دیتے؟ جبکہ وہ تم لوگوں کو جہاد کی جانب بلا رہے ہیں۔''

حاضرین کے دل سیدنا عمرؓ کی اس گرج سے دہل گئے اور وہ جہاد پر راضی ہوگئے۔ لیکن بہتر یہ سمجھا گیا کہ سیدنا ابو بکرؓ یمن اور جزیرہ نما عرب کے دیگر لوگوں سے بھی تعاون کی اپیل کریں۔ اس طرح سیدنا عمرؓ نے حاضرین کے دل کو گرما دیا۔ یہ سیدنا عمرؓ کی شخصیت تھی جس نے ہر موقع پر اسلام کے ساتھ والہانہ محبت کا ثبوت دیا عہد رسالت ﷺ ہو یا عہد صدیقیؓ وہ اسلام کی خدمت میں پیش پیش رہے۔

سابقون الاولون کے بارے سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کا موقف:

سیدنا عمر فاروقؓ کا اجتماعی حیثیت سے طرزِ عمل بعض بنیادی کاموں میں سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے طرزِ عمل سے بالکل جدا تھا۔ جو بعض دفعہ عکس اور ضد کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔ دراصل یہ طرزِ عمل بھی خلوص پر مبنی ہوتا تھا۔ اور اس طرزِ عمل میں بھی امت مسلمہ کی بہتری پوشیدہ ہوتی تھے۔

سیدنا ابو بکرؓ مسلمانوں میں مساوات کی سخت آرزو رکھتے تھے۔ وہ عربی اور عجمی میں کسی قسم کا امتیاز جائز نہیں سمجھتے تھے اسلام میں سبقت اور تاخیر کرنے والوں میں کوئی تمیز ان کے نزدیک روا نہ تھیں۔ ان کے زمانہ میں مدینہ طیبہ کے نزدیک سونے کی ایک کان برآمد ہوئی اور اس کان سے جو سونا برآمد ہوا وہ سونا سیدنا ابو بکرؓ نے تمام مسلمانوں میں مساویانہ طور پر تقسیم فرما دیا ان سے جب کہا گیا کہ سابقون الاولون سے ان کی حیثیت کے مطابق ترجیحی سلوک کیا جائے تو انہوں نے جواباً فرمایا: ''وہ رضا الٰہی کے لئے اسلام لائے تھے اور ان کا اجر رب تعالیٰ کے ہاں ہے جو انہیں ...

سیدنا عمر فاروق ؓ سابقون الاولون کو عام مسلمانوں اور اہل بیت کو سابقون الاولون پر ترجیح دیتے تھے۔ سیدنا عمر فاروق ؓ کی اس پالیسی کو طبقاتی نظام کی طرف مائل پالیسی نہیں کہیں گے۔ جیسا کہ محمد حسین ھیکل نے اشارہ کیا ہے کہ سیدنا عمر فاروق ؓ اپنی پالیسی میں طبقاتی نظام کی طرف مائل تھے۔(۵۶)

دراصل سابقین اسلام، اصحاب بدرؓ اور اہل بیت کی فضیلت اور قربانیاں اتنی ہیں کہ عام مسلمانوں پر انہیں بے پناہ فضیلت حاصل ہے۔

سیدنا عمر ؓ رسول اللہ ﷺ کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے جب صحابہ ؓ کے وظیفے مقرر ہونے لگے تو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے مشورہ دیا کہ سیدنا عمر ؓ مقدم رکھے جائیں لیکن سیدنا عمر ؓ نے انکار کر دیا اور کہا کہ ترتیب مدارج میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعلق کو دیکھا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ بنی ہاشم سے شروع کیا اور اس میں بھی حضرت عباس ؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ناموں سے ابتداء کی۔ سیدنا عمر ؓ کا قبیلہ بنو عدی پانچویں نمبر پر تھا۔ چنانچہ اسی ترتیب سے سب کے نام لکھے گئے تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحاب بدر تھے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اگر چہ اس گروہ میں نہ تھے لیکن ان کی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں۔ اور یہ سب سے بڑی مقدار تھی۔ اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے بیٹے عبداللہ ؓ سے زیادہ مقرر کی تو عبداللہ ؓ نے عذر کیا تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اسامہ ؓ کو تجھ سے اور اسامہ ؓ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔(۵۷)

مذکورہ باتیں سیدنا عمر ؓ کی اپنی خلافت کے زمانے کی ہیں لیکن اس تفصیل سے سیدنا عمر ؓ کا خلوص اور محبت ظاہر ہو رہی ہے۔ اور طبقاتی نظام کی طرف مائل ہونے کی دلیل کی تردید ہو رہی ہے مذکورہ افراد اس بات کے اہل تھے کہ ان کا اسی طرح اکرام کیا جائے جس طرح سیدنا عمر ؓ نے کیا تھا۔

باب سوم — فصل اوّل

۱-الانعام۶:۷۳

۲-البقرہ۲:۱۰۷

۳-الانعام۶:۵۷

۴-الروم۳۰:۴

۵-الحدید۵۷:۵

۶-الزمر۳۹:۲

۷-ابوالاعلیٰ مودودی: خلاف وملوکیت، (ادارہ ترجمان القران، لاہور، ۱۹۹۸ء)، ۳۰

۸-النساء۴:۸۰

۹-ابوالاعلیٰ مودودی: خلافت وملوکیت، ۳۲

۱۰-ص۳۸:۲۶

۱۱-البقرۃ۲:۳۱

۱۲- امام احمد بن حنبل، المسند، (دار صادر للطباعۃ والنشر، بدون تاریخ) ۲/۱۷۲

۱۳- البیہقی، السنن الکبریٰ، (ادارۂ تالیفات اشرفیہ، ملتان، بدون تاریخ) ۱۰/۱۱۴

۱۴-مسلم: الجامع الصحیح، کتاب الامارہ، باب ۸، ۲/۱۲۵

۱۵-بخاری: الجامع الصحیح، کتاب فضائل صحابہ، باب مناقب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ۱/۵۱۸

۱۶-ابن حجر العسقلانی: فتح الباری بشرح صحیح بخاری، ۸/۹۸

۱۷-طبری: تاریخ الامم والملوک، ۳/۱۸

۱۸-بخاری: الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت، ۱/۱۶۶

۱۹-ایضاً

۲۰-ال عمران۳:۱۴۴

۲۱-بخاری: الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، ۱/ 144

۲۲-ابن حجر العسقلانی: فتح الباری بشرح صحیح بخاری، ۲۳/۷

۲۳-شبلی نعمانی: الفاروق، ٦٦

۲۴-بخاری: الجامع الصحیح، کتاب فضائل صحابہ، باب المناقب ابوبکر صدیقؓ، ۱/ ۵۱۸

۲۵-ایضاً

فصل دوم

۲٦-القیمہ ۷۵:۱۷

۲۷-العنکبوت ۲۹:۴۹

۲۸-الطّور ۵۲:۲-۳

۲۹-لویس معلوف الیسوعی: المنجد، (المطبعۃ الکاثولیکیۃ، بیروت، ۱۹۰۸ء) ۲۷۳، مادہ رق ق

۳۰-البروج ۸۵:۲۱-۲۲

۳۱-لویس المعلوف الیسوعی: المنجد، ۲۳۸

۳۲-علی المتقی: کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، (موسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۳۹۹ھ)، ۱/ ۵۱۰

۳۳-ایضاً، ۱/ ۵۱۱

۳۴-الھیثمی: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، (مکتبۃ القدسی، مصر، ۱۳۰۳ھ)، ۷/ ۱٦۵

a-۳۴-کنز العمال، ۱/ ۵۳٦

۳۵-جرجانی: الکامل فی ضعفاء الرجال، (دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۴ھ)، ۲/ ۸۵۵

۳٦-ابوداؤد: سنن، (ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی، ۱۹٦۷ء)، کتاب الصلوٰۃ، باب من جھر بھا، ۱/ ۱۴۴

۳۷-مسلم الجامع الصحیح، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب الصفات التی یعرف بھا فی الدنیا اھل الجنۃ واھل النار، ۲/ ۳۸۵

۳۸-ابن حجر العسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح بخاری، ۹/ ۳٦

۳۹-الزرقانی: مناھل العرفان فی علوم القران، ۲۳۴/۱

۴۰-سیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، ۷۳/۱

۴۱-العینی: عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، (ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ، بیروت، بدون تاریخ)، ۱۶/۲۰-۱۷

۴۲-صبحی صالح: علوم القرآن، مترجم: غلام احمد حریری، (ملک سنز، فیصل آباد، ۱۹۸۴ء)، ۱۰۱

۴۳-ایضاً

۴۴-ابن حجر العسقلانی: فتح الباری بشرح صحیح بخاری، ۱۸/۹

۴۵-سیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، ۹۹/۱

۴۶-ایضاً، ۱۰۱/۱

۴۷-محمد حسین ھیکل: حضرت سیدنا عمر فاروقؓ، ۱۵۲

۴۸-بخاری: الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب سوم و چہارم، ۷۴۶/۲

۴۹-ابن حجر العسقلانی: فتح الباری بشرح صحیح بخاری، ۱۱/۹

۵۰-سیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، ۶۰/۱

۵۱-زرکشی: البرھان فی علوم القرآن، (مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۳۷۶ھ)، ۲۳۸/۱

۵۲-سیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، ۶۰/۱

۵۳-زرکشی: البرھان فی علوم القرآن، ۲۳۴/۱-۲۳۵

فصل سوم

۵۴-ابن الجوزی: سیرۃ عمر بن خطاب، ۹۲-۹۴

۵۵-ایضاً، ۱۰۳

۵۶-محمد حسین ھیکل، سیدنا عمر فاروقؓ، ۱۵۸

۵۷-امام ابو یوسف: کتاب الخراج، ۰ دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۹ھ)، ۲۴-۲۵




باب چہارم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت اور آپؓ کی فقہی و اجتہادی بصیرت




فصل اوّل:

قاضیوں کے لئے ہدایات اور سیدنا عمرؓ کی بصیرت

معاملات قضاء میں سیدنا عمرؓ کی فقہی بصیرت کو واضح کرنے کے لئے درج ذیل پہلوؤں پر گفتگو کی جائے گی۔

۱:-قاضی ۲:-فیصلے کے مآخذ ۳:-شہادتیں جن پر قاضی کو اعتماد کرنا چاہئے۔

۴:-مقدمے کے دونوں فریق ۵:-قضا کی جگہ

۱:-قاضی:

(الف) قاضیوں کی اقسام: قاضیوں کی دو قسمیں ہیں:

۱:-حکومت کا مقرر کردہ قاضی:

وہ قاضی جسے حکومت نے مقرر کیا ہو اور جھگڑا کرنے والے فریقین کے درمیان مقدمات کا فیصلہ اس کے سپرد کر دیا ہو۔ اس قاضی کو حدود اور تعزیرات قائم کرنے اور تاوان عائد کرنے اور ان سب سزاؤں کو نافذ کرنے کا مکمل اختیار ہے۔

اس طرح کے قاضی خلافتِ صدیقیؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے آغاز میں کم تھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اسلامی سلطنت کی حدود ابھی اتنی وسیع نہیں تھیں۔ عدلیہ اور انتظامیہ یکجا تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک خود خلیفہ وقت اور اعلیٰ افسران قضا کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے شروع میں یہ طریقہ قائم رکھا لیکن آپؓ نے جلد ہی عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا اور یہ آپؓ کی بصیرت کا ثبوت تھا کہ عدلیہ آزاد ہونی چاہئے۔ تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے۔

(i) فاروقیؓ دور کے چند اہم قاضی:

حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا اور ان کے بعد حضرت شریحؒ کو قاضی

مقرر کیا۔ مدینہ منورہ میں حضرت زید بن ثابتؓ، بصرہ میں کعب بن سوار اور فلسطین میں حضرت عبادہ بن الصامتؓ کو قاضی مقرر کیا۔ اس کے علاوہ بھی وکیع کی کتاب اخبار القضاۃ میں کئی قاضیوں کا ذکر ہے جن کو حضرت عمرؓ نے مقرر کیا تھا۔

(ii) مقرر کردہ قاضی ہی فیصلہ کرے:

مختلف شہروں میں قاضی مقرر ہو جانے کے بعد سیدنا عمرؓ اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ ان مقرر کردہ قاضیوں کے علاوہ کوئی اور قضا کا کام انجام دے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے فرمایا کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ فیصلے کرتے ہیں حالانکہ آپ امیر نہیں یعنی ہم نے آپ کو قاضی مقرر نہیں کیا ہے۔ انہوں نے کہا ! جی ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کی سختی اس کو برداشت کرنے دو جو اس کی راحت سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔(۱)

۲:- فریقین مقدمہ کا تسلیم شدہ قاضی:

اس کے اختیار کا منبع خود فریقین مقدمہ ہیں۔ اگر ایسے قاضی کے فیصلے کو ایک فریق قبول کرنے سے انکار کر دے تو اس کے پاس ایسی کوئی قوت موجود نہیں ہے کہ اپنا فیصلہ بزور نافذ کر سکے۔

قاضیوں کی یہ قسم لوگوں میں اس وقت تک مقبول رہ سکتی ہے جب تک لوگوں کا دینی جذبہ قوی ہو لیکن دینی جذبات کے کمزور پڑتے ہی یہ قسم غیر مقبول ہو جائے گی کیونکہ ان کے پاس اپنے فیصلے کو نافذ کرنے کی قوت موجود نہیں۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس حق کے بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے جسے نافذ نہ کیا جا سکے۔(۲)

خود سیدنا عمرؓ نے بعض مواقع پر ایسے قاضیوں کی جانب رجوع کیا جو مختلف علاقوں میں کافی تعداد میں موجود تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ نے اپنے درمیان فیصلے کے لئے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم تسلیم کیا اور انہوں نے ان دونوں کا فیصلہ کیا۔(۳)

(ب) قاضی کا تعین:

رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں امیر المومنین خود قاضیوں کو متعین

کیا کرتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو ان کی کم عمری کے باوجود یمن کا قاضی مقرر کیا تھا۔ اور حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کو قاضی مقرر کیا اور حضرت عمرؓ نے مختلف قاضی مقرر کئے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

امیر المومنین کبھی اپنا یہ حق اپنے علاقائی حاکموں کے سپرد بھی کر سکتے ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو شام کا والی بنا کر بھیجا تو ان کے نام تحریر کیا کہ اپنے ہاں موجود نیک اور صالح لوگوں کو تلاش کر کے انہیں قاضی مقرر کر دو۔ ان کو اختیارات اور تنخواہیں دو اور اللہ کے مال میں سے اتنا دو جو ان کی کفالت کے لئے کافی ہو۔ (۴)

(ج) قضا کے منصب کی درخواست:

اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو منصب قضا کا اہل تصور کرے تو اس کے لئے منصب طلب کرنا جائز ہے۔ حضرت ابو بکرؓ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ سے کہا کہ مجھے امور خلافت میں مددگاروں کی ضرورت ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ کی طرف سے قضا کا فریضہ میں انجام دوں گا اور حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا کہ بیت المال کی ذمہ داری میں قبول کرتا ہوں۔ (۵)

(د) قاضی کی تنخواہ:

سیدنا عمرؓ نے اس معاملے میں بھی بصیرت کا ثبوت دیا کہ قاضیوں کی تنخواہوں کا بطور خاص اہتمام کیا اور انہیں بڑی فراخ دلی سے وظیفہ عطا کیا تاکہ ان کی حیثیت قضا کے منصب کے مطابق نظر آئے اور وہ کسی کے محتاج نہ رہیں اور رشوت یا ہدیہ کا لالچ باقی نہ رہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قاضئی کوفہ کا وظیفہ سو درہم ماہوار تھا اور اس کے ساتھ ان کو چوتھائی بکری بھی روزانہ ملتی تھی۔ شریح قاضئی کوفہ کا وظیفہ سو درہم اور دس جریب ماہوار تھا۔ سلیمان بن ربیعہ الباہلی کا وظیفہ پانچ سو درہم ماہوار تھا۔ اس سلسلے میں آپؓ نے درج ذیل اقدامات کئے:

ا:۔ تنخواہیں زیادہ مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو۔

۲:- قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولت مند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ گورنر کوفہ کو جو فرمان لکھا اس میں اس قاعدے کی وجہ لکھی کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی رعب وداب کا اثر نہ ہوگا۔

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید وفروخت کی اجازت نہ تھی اور یہ وہ اصول ہے جو مدتوں بعد تجربے کے بعد ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔(٦)

(ہ) قاضی کے اوصاف:

سیدنا عمرؓ جب قاضی مقرر کرتے تو درج ذیل اوصاف کے حامل افراد کا تقرر کرتے:

ا:- عقل، بلوغ، حریت اور اسلام:

کیونکہ جس شخص میں یہ اوصاف موجود نہ ہوں وہ شہادت کا اہل نہیں تو وہ قضا کا اہل کیسے ہوسکتا ہے۔

۲:- مرد ہونا:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ حدود اور قتل کے علاوہ دیگر معاملات میں عورت کی قضا کو درست تصور کرتے تھے کیونکہ ان امور میں حضرت عمرؓ نے تنہا عورت کی گواہی بغیر مرد کے قبول کی ہے جب کہ حضرت عمرؓ نے حدود اور قصاص میں عورت کی گواہی قبول نہیں کی ہے۔(٧)

۳: احکام شریعت کا علم:

قاضی کے لئے احکام شریعت کو جاننا اس لئے ضروری ہے کہ اسے پیش آمدہ واقعات میں شریعت کا نفاذ کرنا ہے اور اگر اس سے ناواقف ہو تو وہ اس کی تطبیق نہیں کرسکتا۔

۴: تقویٰ:

تقویٰ کی شرط اس لئے کہ فاسق کی گواہی مقبول نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی قضا بدرجہ اولی قبول نہیں ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے جب معاذ بن جبلؓ اور ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو شام کا والی بنا کر بھیجا تو انہیں لکھا کہ تم اپنے ہاں موجود نیک اور صالح لوگوں کو تلاش کر کے انہیں منصب قضا پر مامور کردو۔(٨)

۵:۔ ریاکاری اور خوشامد سے بے نیاز:

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کا حکم وہ شخص قائم کرسکتا ہے جو نہ کسی کی طرف داری کرے، نہ کسی سے مشارکت اختیار کرے اور نہ لالچوں کے پیچھے لگے۔(۹)

۶: ذہانت وفطانت:

قاضی کی شرط یہ ہے کہ وہ سمجھ دار اور ذہین ہو اور دقیق امور پر جلد متنبہ ہو جاتا ہو شعبی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس کعبؓ بن سوار بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس ایک عورت آئی اور اپنے خاوند کی عبادت گزاری کی بہت تعریف کی۔ حضرت عمرؓ نے اُس عورت کی تعریف کی اور فرمایا کہ عورت کو خیر کی باتوں میں تجھ جیسا ہونا چاہئے۔ اس پر وہ عورت شرما گئی اور واپس چلی گئی۔ کعبؓ نے عرض کی اے امیر المومنین آپ نے اس عورت کی شکایت رفع نہیں کی۔ حضرت عمرؓ سمجھ گئے اور عورت اور اس کے خاوند کو بلوایا اور کعب سے کہا کہ تم ان کے درمیان فیصلہ کرو کیونکہ تم نے ہی وہ بات سمجھی ہے جو میں نہیں سمجھ سکا۔ حضرت کعبؓ نے کہا میں یہ فرض کر لیتا ہوں کہ اس شخص کی تین بیویاں ہیں اور یہ چوتھی ہے اور میں فیصلہ دیتا ہوں کہ تین دن اور تین راتیں اس کے شوہر کے ہیں ان میں وہ عبادت کرتا رہے اور ایک دن اور ایک رات اس بیوی کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہاری یہ بات مجھے تمہاری پہلی بات سے بھی زیادہ پسند ہے جاؤ میں تمہیں بصرہ کا قاضی مقرر کرتا ہوں۔(۱۰)

۷:۔ سختی بغیر درشتی کے اور نرمی بغیر کمزوری کے:

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ امر (قضاء) ایسے شخص کو دیا جانا چاہئے جس میں چار اوصاف ہوں نرمی ہو لیکن کمزوری نہ ہو۔ سختی ہو لیکن درشتی نہ ہو۔ حال روک کر رکھے لیکن بخیل نہ ہو اور سخاوت ہو لیکن اسراف نہ ہو۔(۱۱)

۸:۔ شخصیت کی مضبوطی:

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں ابو مریم کو ضرور معزول کردوں گا اور ان کی جگہ ایسے شخص کو قاضی مقرر کروں گا جس کو اگر آدمی دیکھے تو مرعوب ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے انہیں بصرہ کی قضا سے معزول کر کے ان کی جگہ کعبؓ بن

سوار کو قاضی مقرر کیا۔(۱۲)

۹:- مالدار اور خاندانی ہونا:

حضرت عمرؓ نے اپنے بعض عمال کو لکھا کہ ایسے افراد کو قاضی مقرر کرو جو مالدار اور خاندانی ہوں کیونکہ صاحب مال آدمی کو دوسرے کے مال کا لالچ نہ ہوگا اور صاحب حسب شخص لوگوں کی طرف سے پہنچنے والے عواقب سے خوفزدہ نہیں ہوگا۔(۱۳)

مذکورہ بیان سے سیدنا عمرؓ کی سیاسی بصیرت کا ثبوت ملتا ہے کہ یہ بات حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس لئے درست تھی کہ اس وقت بھی قبائلی اثرات اور جاہلی عصبیتیں معاشرے میں موجود تھیں۔ اور موجودہ دور میں بھی یہ بات درست ہے کہ اگر پست طبقے کے لوگ قاضی بن جاتے تو لوگوں کے حقوق ضائع کرتے ہیں۔

(ر) کن امور کو ملحوظ رکھنا قاضی پر لازم ہے:

عدل وانصاف کے قیام کے سلسلہ میں سیدنا عمرؓ قاضیوں کو درج ذیل امور کی ہدایات جاری فرماتے جو ان کی فقہی واجتہادی بصیرت کا مظہر ہیں:

۱:- عمل میں اللہ کے لئے اخلاص:

حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام تحریر کیا کہ جو قاضی حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اللہ اس کے لئے اجر لازم کر دیتا ہے اور اس کی آخرت بھی سنوار دیتا ہے جس کی نیت حق کے سلسلہ میں خالص ہو اگرچہ وہ حق خود اس کے خلاف جاتا ہو تو اللہ اس کے لئے ان سب معاملات میں کافی ہو جاتا ہے جو اس کے اور لوگوں کے درمیان ہوں اور جو ایسے وصف سے اپنے آپ کو آراستہ دکھاتا ہے جو اس میں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے عیب دار کر دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا صرف وہی عمل قبول فرماتا ہے جو خالصتاً اس کے لئے ہو۔(۱۴)

۲:- مقدمہ کے فیصلہ کے سلسلہ میں خوب غور کرنا:

فیصلہ سنانے سے قبل معاملے کو خوب اچھی طرح سمجھنا اور اس کے تمام پہلوؤں کا پوری طرح جائزہ لینا ضروری ہے اور جب تک حق پوری طرح کھل کر سامنے نہ آجائے قاضی کے لئے مقدمے کا فیصلہ کرنا جائز نہیں

ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو اسے خوب اچھی طرح سمجھو۔(۱۵)

۳:- اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا:

مقدمہ کے فریقین مسلم ہوں یا غیر مسلم فیصلہ اسلامی شریعت کے مطابق ہوگا۔ زید بن اسلم سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت سیدنا عمرؓ کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ میرا بیٹا مر گیا اور یہودیوں کا خیال ہے کہ ''مثناۃ'' کے مطابق اس کی میراث میں میرا کوئی حق نہیں۔ آپؓ نے اس کے خاندان کے لوگوں کو بلوایا اور ''مثناۃ'' کے بارے دریافت فرمایا انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے علماء اور حکماء کی تحریر کردہ کتاب ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں برا بھلا کہا اور انہیں حکم دیا کہ جاؤ اس کا حق اسے دے دو۔(۱۶)

۴: مشورہ کرنا:

قاضی کے لئے اگر کوئی قضیہ حل کرنا دشوار ہو جائے تو اسے چاہئے کہ دوسروں سے مشورہ کرے۔ حضرت عمرؓ نے شریحؒ کو لکھا کہ اگر تم چاہو تو مجھ سے مشورہ کر لیا کرو اور میرا خیال ہے کہ تمہارا مجھ سے مشورہ کرنا تمہارے لئے زیادہ سلامتی کا حامل ہوگا۔(۱۷)

۵: فریقین مقدمہ کے مابین مساوات:

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ اپنے متوجہ ہونے میں اپنی مجلس میں اور اپنے انصاف میں لوگوں کے مابین مساوات قائم کرو۔ تاکہ کسی باحیثیت شخص کو تم سے طرف داری کا لالچ پیدا نہ ہو اور کمزور تمہارے انصاف سے مایوس نہ ہو۔(۱۸)

۶:- کمزور کی ہمت بندھانا:

کمزور شخص کی ہمت بندھانا تاکہ اس کا خوف جاتا رہے اور اس میں بولنے کی ہمت پیدا ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو لکھا کہ کمزور شخص کو اپنے قریب کرو تاکہ اس کے دل میں ہمت پیدا ہو جائے اور اس کی زبان کھل جائے۔(۱۹)

۷:-فراخئ صدر:

سیدنا عمرؓ نے حضرت ابو موسی اشعریؓ کو لکھا کہ مقدمہ کی سماعت کے وقت، اکتاہٹ، غصے، پریشانی اور لوگوں کو ایذا پہنچانے سے اجتناب کرو۔(۲۰) شریح بن الحارث سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے مجھے قاضی مقرر کیا تو مجھ پر یہ شرط عائد کی کہ میں غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کروں۔(۲۱)

۸:-ہدیہ قبول نہ کرنا:

سیدنا عمرؓ کی بصیرت انتہا درجے کی تھی اس لئے آپؓ ہر اس بات سے اجتناب کرتے اور اپنے قاضیوں کو بھی احکامات جاری فرماتے کہ جس بات میں دینی نقصان کا اندیشہ ہوتا یا کوئی ایسی بات جس سے کردار کی کمزوری ظاہر ہوتی کہ لوگوں کو کہیں بات کرنے کا موقعہ نہ مل جائے۔سیدنا عمرؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو نصیحت فرماتے ہیں:

"اِنِّیْ وَجَّھْتُکَ مُعَلِّمًا لَیْسَ لَکَ سَوْطٌ وَلَا عَصَا فَاقْتَصِرْ عَلٰی کِتَابِ اللّٰہِ فَاِنَّہٗ کَفَاکَ وَاِیَّاھُمْ وَلَا تَقْبَلِ الْھَدِیَّۃَ وَ لَیْسَتْ بِحَرَامٍ، وَلٰکِنِّیْ أَخَافُ عَلَیْکَ الْقَالَۃَ."(۲۲)

میں آپ کو معلم بنا کر بھیج رہا ہوں تیرے اختیار میں نہیں کہ تم اُن کو کوڑے اور ڈنڈے مارے۔اللہ کی کتاب پر ہی اکتفا کرنا بیشک تمہیں اور انہیں وہ کافی ہوگی ہدیہ قبول نہ کرنا وہ حرام نہیں ہے لیکن میں لوگوں کی باتوں سے ڈرتا ہوں۔

۹:-رشوت سے بچنا:

شریحؒ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے مجھے قاضی بنایا تو آپؓ نے یہ شرط لگائی کہ میں نہ فروخت کروں گا نہ خریدوں گا اور نہ رشوت لوں گا۔(۲۳) نیز سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ خود کو رشوت سے اور ہوائے نفس کے

مطابق فیصلہ کرنے سے بچانا۔(۲۴)

۱۰:-ظاہری دلائل کا اختیار کرنا اور نیتوں کی ٹوہ نہ لگانا:

سیدنا عمرؓ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس کے دوران فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے تو ہم تمہیں پوری طرح جانتے تھے کیونکہ اس وقت وحی نازل ہوتی تھی اور تمہاری تمام خبریں بتادی جاتی تھیں لیکن اب ہم تمہیں اقوال سے پہچانیں گے اور جو شخص ہمارے روبرو خیر کا اظہار کرے گا ہم اس کو اچھا سمجھیں گے اور اس کی خیر کی بنا پر اس سے محبت کریں گے اور جو شخص ہمارے سامنے شر کا اظہار کرے گا ہم اسے برا سمجھیں گے اور اس شر کی وجہ سے اس سے نفرت کریں گے تمہارے دلوں میں پوشیدہ ارادے تمہارے اور تمہارے اللہ کے درمیان ہیں۔(۲۵)

۱۱:-مقدمہ کے دونوں فریقوں کے مابین صلح کی خواہش:

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے مابین صلح جائز ہے سوائے اس صلح کے جو کسی حرام کو حلال کرے یا حلال کو حرام کردے۔(۲۶)

قاضی کو چاہئے کہ وہ صلح کا حریص ہو بالخصوص ایسے فریقوں کے درمیان صلح کی ضرور کوشش کرے جن کے معاملے میں حق پوری طرح واضح نہ ہو۔حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ اگر تمہارے لئے فیصلہ واضح نہ ہو تو فریقین کے مابین صلح کی کوشش کرو۔(۲۷)

۱۲:-حق کی جانب رجوع کرنا:

اگر قاضی نے کسی مقدمہ میں کوئی فیصلہ کردیا پھر اس کی اجتہادی رائے میں تبدیلی آ گئی تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی نئی رائے کی بناء پر رجوع کا اثر قبول کرے اور اپنی اس نئی رائے کی وجہ سے سابقہ فیصلے کو تبدیل کردے اسی طرح اس کے بعد آنے والے قاضی کے لئے بھی جائز نہیں کہ پہلے قاضی کے پہلے فیصلے کو کالعدم قرار دے۔حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ تم نے جو آج فیصلہ کیا ہے اور اس میں تم نے اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کیا ہے پھر حق تمہارے سامنے ظاہر ہو گیا تو کوئی بات تمہیں اس سے مانع نہیں ہونی چاہئے کہ تم حق

کی جانب رجوع کرلو۔ کیونکہ حق قدیم ہے اسے کوئی شے باطل نہیں کرسکتی اور حق کی جانب رجوع باطل پر جمے رہنے سے بہتر ہے۔(۲۸)

۲: فیصلے کے مآخذ (مصادر احکام):

قاضی کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہو تو وہ کتاب اللہ میں اس کا حکم تلاش کرے اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو سنت رسول ﷺ میں تلاش کرے اگر اس میں بھی نہ ملے تو کسی پہلے خلیفہ کا اس بارے میں کوئی فیصلہ موجود ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرے۔ حضرت عمرؓ نے قاضی شریحؒ کے نام اپنے خط میں فرمایا کہ اگر کسی معاملہ کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں حکم موجود نہ ہو اور آئمہ ہدیٰ کا کوئی فیصلہ بھی اس کے متعلق موجود نہ ہو تو تمہیں اختیار ہے کہ تم اپنی رائے سے اجتہاد کرو یا اگر چاہو تو مجھ سے مشورہ کرلو۔ اور میرا خیال ہے کہ تمہارا مجھ سے مشورہ کرلینا ہی تمہارے لئے سلامتی کا حامل ہے۔(۲۹)

سیدنا عمرؓ کا طرزِ عمل:

حضرت عمرؓ کے سامنے جب کوئی دعویٰ پیش ہوتا تو آپؓ قرآن وسنت میں اس کا حکم تلاش کرتے۔ اگر قرآن وسنت سے راہنمائی نہ ملتی تو آپؓ دیکھتے کہ اس بارے میں حضرت ابوبکرؓ کا کوئی فیصلہ ہے؟ اگر حضرت ابوبکرؓ کا کوئی فیصلہ موجود ہوتا تو اس کے مطابق عمل کرتے ورنہ سرکردہ مسلمانوں اور علماء کو بلا کر ان سے مشورہ کرتے اور جو سب کی متفقہ رائے ہوتی اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔(۳۰)

اسی لئے شعبی کہا کرتے تھے جو شخص کسی سابقہ فیصلہ پر اعتماد کرنا چاہے تو وہ حضرت عمرؓ کے فیصلے کو اختیار کرے کیونکہ حضرت عمرؓ مشورہ کر کے فیصلے کیا کرتے تھے۔(۳۱)

۳:- شہادتیں جن پر قاضی کو عمل کرنا چاہئے:

سیدنا عمرؓ کی ہدایات کہ قاضی فیصلہ صادر کرنے میں ثبوت کے جن دلائل پر اعتماد کرسکتا ہے وہ درج ذیل ہیں:

(الف) اقرار:

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ اقرار کرے کہ یہ بچہ میرا ہے تو پھر وہ اس سے انکار نہیں

کرسکتا۔(۳۲)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں اگر کسی نے ایک لحظہ کے لئے یہ اقرار کیا کہ یہ بچہ میرا ہے اور بعد از اں انکار کیا تو وہ بچہ اسی کا قرار دیا جائے گا۔(۳۲A)

حضرت عمرؓ کے پاس ایک چور لایا گیا جس نے اعتراف کرلیا تھا، حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ اس کے ہاتھ تو چور کے ہاتھ نہیں ہیں اس پر اس نے کہا قسم بخدا! میں چور نہیں ہوں۔ حضرت عمرؓ نے اسے چھوڑ دیا اور قطع ید کی سزا نہیں دی۔(۳۳)

(ب) شہادت (گواہی):

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام اپنے خط میں لکھا کہ بارِ ثبوت مدعی پر ہے اور حلف انکار کرنے والے پر۔(۳۴)

قاضی کو چاہئے کہ گواہوں کے بارے میں تحقیق کرے کہ آیا وہ گواہی دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور اگر وہ خود انہیں نہ جانتا ہو تو ان سے ایسے لوگوں کو لانے کا مطالبہ کرے جو انہیں جانتے ہوں۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے کسی شخص نے گواہی دی۔ حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ میں تمہیں نہیں پہچانتا۔ لوگوں میں سے کسی نے کہا کہ میں اسے جانتا ہوں یہ شخص عادل اور صاحب فضیلت ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا یہ تمہارا قریبی پڑوسی ہے اور تمہیں اس کے شب وروز اور اس کی آمد ورفت کا علم ہے اس نے کہا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا تو کیا تمہارا اس سے لین دین یا سفر میں تمہارا ساتھی رہا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم اسے نہیں جانتے۔(۳۵)

(ج) شاہد اور قسم:

اگر مدعی کے پاس ایک ہی گواہ ہو تو اس کی گواہی کا اعتبار ہوگا اور اس کے ساتھ مدعی قسم کھائے گا۔ حضرت عمرؓ مالی مقدمات میں ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ دے دیا کرتے تھے۔(۳۶)

(د) قسم (حلف):

قاضی مدعیٰ علیہ سے اس وقت حلف لے گا جب مدعی بینہ (گواہ) پیش کرنے سے عاجز ہو تو اس صورت میں مدعیٰ علیہ سے حلف اٹھانے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر مدعیٰ علیہ نے حلف اٹھالیا تو قاضی اس قسم پر مقدمہ کا فیصلہ کردے گا۔ حضرت عمرؓ نے اور حضرت معاذ بن عفراء نے اپنے کسی نزاع میں حضرت ابی بن کعبؓ کو حکم بنایا اور اس کے پاس آئے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو حلف اٹھانے کے لیے کہا حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلے کے بعد معاذؓ سے کہا کہ کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں اپنی قسم کی وجہ سے اس شے کا مستحق ہو گیا ہوں جاؤ یہ تمہاری ہے۔ (۳۷)

(ر) قیافہ:

مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں ہے کہ دو آدمی ایک بچے کے دعویدار تھے۔ حضرت عمرؓ نے قیافہ شناسوں کو بلایا تو انہوں نے کہا بچے کی مشابہت ان دونوں میں اور ان دونوں کی مشابہت بچے میں پائی جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ تم دونوں کا ہے تم دونوں اس کے وارث ہوئے اور یہ تم دونوں کا وارث ہوگا۔ (۳۸)

(و) قرائن:

قرائن کا باب بہت وسیع ہے اور قرائن سے استنباط کرنے کی مختلف صورتیں ہیں اور مختلف قاضی اس کے لئے متعدد طریقے اختیار کرتے ہیں مثلاً شراب کے قوی قرائن میں سے یہ امر ہے کہ قے میں شراب کی بو پائی جائے۔ حضرت عمرؓ جس کی قے میں شراب کی بو پاتے تو اس پر حد جاری کرتے۔

(ہ) قاضی کا جاننا:

قاضی کا کسی جرم کے بارے میں ذاتی طور پر جاننا حد نافذ کرنے کے لئے ایسی قابل اعتماد دلیل نہیں ہے کہ اس بناء پر ملزم کے خلاف سزا کا فیصلہ صادر کر دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ امام (قاضی) اپنے علم، گمان یا شبہ پر فیصلہ نہ کرے۔ (۳۹)

۴:۔ فریقین مقدمہ:

قاضی فریقین مقدمہ کے درمیان فیصلہ کر سکتا ہے خواہ دونوں فریق قاضی کی مجلس میں حاضر ہوں

یا نہ ہوں۔ابن حزم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے صحیح منقول روایت یہی ہے کہ آپ نے غائب (غیر حاضر شخص) کے خلاف بھی فیصلہ سنایا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ حق اس کے ذمہ ہے اور صحابہؓ میں سے کسی ایک سے اس کی مخالفت صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔(۴۰)

۵:- قضاء کی جگہ:

قضاء کی مجالس مسجد میں منعقد ہوا کرتی تھی اور حضرت عمرؓ مسجد ہی میں فیصلہ کرتے تھے۔ البتہ جب کوئی جسمانی سزا جاری کرنی ہوتی مثلاً کوڑے مارنا اور قطع ید وغیرہ تو مجرم کو مسجد سے باہر لا کر اس پر سزا جاری کی جاتی۔ ایک شخص کسی جرم میں حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ اسے مسجد سے باہر لے جاؤ اور کوڑے لگاؤ۔(۴۱)

فصل دوم:

امراء کے لئے سیدنا عمرؓ کی ہدایات اور آپؓ کی بصیرت

حکومت کو نظم و نسق چلانے کے لئے جس طرح سیدنا عمرؓ نے بے مثال بصیرت کا ثبوت دیا اسی طرح آپؓ کے امراء کی خدمات بھی گرانقدر ہیں۔ آپؓ جس علاقے کا امیر منتخب فرماتے پہلے اس امیر کے کردار کے بارے میں مکمل چھان بین کرتے اور بعد میں بھی اس کے حالات سے مکمل باخبر رہتے۔ جو شخص عامل یا امیر مقرر ہوتا اس کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں اس کی تقرری، اختیارات اور فرائض مذکور ہوتے تھے۔ اس فرمان پر مہاجرین اور انصار کی گواہی بھی ثبت ہوتی تھی۔ امیر جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا جس کی وجہ سے لوگ اس کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے اور تجاوز کی صورت میں لوگ امیر کی گرفت بھی کر سکتے تھے۔ (۴۲)

سیدنا عمرؓ کو اس بات کا بہت زیادہ اہتمام تھا کہ امراء اپنے فرائض سے مکمل طور پر آگاہ ہو جائیں۔ ایک مجمع عام میں عاملوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں۔ تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو۔ ان کو زدوکوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں ان کی بے جا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں ان کے لئے اپنے دروازے نہ بند رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں۔ ان سے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہے۔ (۴۳)

جب کوئی شخص امیر مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمرؓ صحابہؓ کے ایک گروہ کے سامنے اس کو فرمان تقرری

عنایت کرتے تھے اور ان صحابہؓ کو گواہ مقرر کرتے تھے۔(۴۴)

اس طرح منتخب شدہ امیر کی لیاقت اور فرائض کا اعلان ہو جاتا تھا۔

امراء سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا:

ہر امیر سے درج ذیل باتوں کا عہد لیا جاتا تھا:

۱:۔ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔

۲:۔چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

۳:۔دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔

۴:اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔(۴۵)

مذکورہ شرائط تقرر نامہ میں درج ہوتی تھیں اور ان کو مجمع عام میں پڑھ کا سنایا جاتا تھا۔

امراء کے مال واسباب کی فہرست:

جس وقت کوئی امیر مقرر ہوتا تھا اس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تھا اس کی مفصل فہرست تیار کروا کر محفوظ کر لی جاتی تھی اور اگر امیر کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔(۴۶)

ایام حج میں تمام امراء کی طلبی:

تمام امراء کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں اس وقت تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے۔سیدنا عمرؓ کھڑے ہو کر اعلان فرماتے کہ جس کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو پیش کرے۔(۴۷)

امراء کی تحقیقات:

عمال کی نگرانی اور ان کے خلاف جو شکائتیں پیش ہوتی تھیں اس کی تحقیقات کے لئے ایک خاص عہدہ قائم کیا جس پر حضرت محمدؓ بن مسلمہ انصاری مامور تھے۔یہ بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے۔تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے تھے۔ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ ایک مہم پر تشریف لے گئے تو ان کو مدینہ میں اپنے نائب مقرر

کیا۔ان وجوہات کی بنا پر سیدنا عمرؓ نے ایسے بڑے کام کے لئے انہی کو مقرر فرمایا۔جب کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہ تحقیقات پر مامور ہوتے تھے۔(۴۸)

ایک عمدہ فاروقی اصول:

مولانا شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ نے عمال کی دیانت اور راست بازی قائم رکھنے کے لئے نہایت عمدہ اصول اختیار کر رکھا تھا کی ان کی تنخواہیں بہت زیادہ مقرر کی تھیں۔یورپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد یہ اصول سیکھا ہے اور ایشیائی حکومتیں تو اب تک اس راز کو نہیں سمجھیں جس کی وجہ سے رشوت اور غبن ایشیائی حکومتوں کا خاصہ ہو گیا ہے۔(۴۹)

سیدنا عمرؓ کے زمانے میں اگرچہ روپیہ گراں تھا تاہم تنخواہیں مراتب کے لحاظ سے کافی تھیں۔صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور غنیمت میں جو ملتا تھا وہ الگ۔چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار تھی۔(۵۰)

فاروقی دور کے چند اہم عمال:

حضرت ابوعبیدہؓ، یزیدؓ بن ابی سفیان اور امیر معاویہؓ شام کے والی تھے۔عمرو بن العاص مصر، سعد بن ابی وقاص کوفہ، عتبہ بن عزوان بصرہ، ابوموسیٰ اشعریؓ بصرہ، عتاب بن اسید مکہ معظّمہ اور علاء بن الحضرمی یمن کے والی مقرر کیئے گئے۔ان کے علاوہ بھی کئی عمال مقرر کیئے گئے۔(۵۱)

امراء کے لئے سیدنا عمرؓ کی ہدایات:

امیر کو اللہ تعالی نے ایک اہم منصب سے نوازا ہے۔اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری کے لئے اسے کڑے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔تب جا کر وہ امارت کی ذمہ داریوں سے سرخرو ہوتا ہے۔انہی ذمہ داریوں اور فرائض کے سلسلہ میں سیدنا عمرؓ نے درج ذیل ہدایات عمال کو دیں۔

(الف)اسلام کی تبلیغ واشاعت اور لوگوں کو دین کی تعلیم دینا:

اسلامی حکومت کے قیام کی غرض وغایت ہی یہی ہے اسی لئے سیدنا عمرؓ ان امراء سے جنہیں آپ مختلف

علاقوں میں بھیجتے تھے یہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو میں تمہیں حاکم اور جابر بنا کر نہیں بھیج رہا ہوں۔ بلکہ میں تمہیں راہِ ہدایت کے ایسے رہنما بنا کر بھیج رہا ہوں جن سے ہدایت حاصل کی جائے۔ سیدنا عمرؓ نے ایک موقع پر یہی بات سب سر برآوردہ لوگوں کی موجودگی میں فرمائی۔ آپؓ نے فرمایا کہ اے لوگو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں مختلف علاقوں میں جو امراء بھیجتا ہوں وہ اس غرض سے بھیجتا ہوں کہ وہاں کے لوگوں کو دین سکھائیں۔(۵۲)

(ب) اسلامی تعلیمات کی حفاظت:

امیر کے فرائض میں اسلامی تعلیمات کی حفاظت بھی کرنا ہے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو تحریر کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے علاقہ کے کچھ لوگوں نے زمانہ جاہلیت کے انداز میں نعرہ بلند کیا ہے اور قبیلہ ضبہ کے لوگوں کو یا آل ضبہ کہہ کر جوش دلایا ہے۔ انہیں آپ خوب سرزنش کریں اور ایسی جسمانی اور مالی سزا دیں کہ اگر ان میں دین اسلام کا فہم وشعور پیدا نہ ہو تو یہ منتشر ہی ہو جائیں۔(۵۳)

(ج) اسلامی سرزمین کی حفاظت:

اسلامی اصول وضوابط انسانوں کے قائم کئے بغیر قائم نہیں ہو سکتے اور انسانوں کے رہنے کے لئے بہر حال کسی خطہ زمین کی ضرورت ہے لہٰذا خود اسلامی اصول وضوابط کو بھی خطہ زمین کا احتیاج ہوا۔ اس لئے زمین بھی اسلامی حکومت کا ایک اہم ستون ہے اور زمین کی مدافعت اور حفاظت خود اسلامی اصولوں کی حفاظت ہے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ تمہاری جانب سے میرے ذمہ ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ سرحدوں کے تحفظ کا انتظام کروں۔(۵۴)

(د) اسلامی حکومت کے شہریوں کا تحفظ:

اسلامی حکومت کے شہری خواہ مسلمان ہوں یا ذمی، ان کی حفاظت بھی خلیفہ کے فرائض میں داخل ہے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت جو وصیت فرمائی اس میں ہے کہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جن کا ذمہ اللہ اور رسول ﷺ نے اٹھایا ہے یعنی غیر مسلم ذمی ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ ان کی حفاظت کے لئے جہاد کیا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے۔(۵۵)

(ر) رعیت میں عدل وانصاف عام کرنا:

اس عدل کی کئی شکلیں ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱:۔مظلوم کو ظالم سے اس کا حق دلانا:

اس کے بارے میں سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ میں کسی کو یہ اجازت نہیں دوں گا کہ وہ کسی پر ظلم اور زیادتی کرے۔ میں ظالم کو اس قدر مجبور اور ذلیل کروں گا کہ اس کو گرا کر اس کے ایک گال کو خاک آلود کروں گا اور دوسرے گال پر پاؤں رکھوں گا۔ یہاں تک کہ وہ حق کے سامنے جھک جائے۔(۵۶)

۲:۔لوگوں کو ان کی اہلیت کے مطابق مقام ومرتبہ دینا:

سیدنا عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپؓ سب لوگوں کو ایک ساتھ آنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔لہٰذا میرا یہ خط ملنے کے بعد آپؓ پہلے باعزت لوگوں اور اہل قرآن اور اہل تقویٰ اور اہل دین کو بلایئے۔جب وہ اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں تب عام لوگوں کو اجازت دیجئے۔(۵۷)

۳:۔ٹیکس اور لگان عائد کرنے میں انصاف:

سیدنا عمرؓ نے اپنی شہادت سے چار دن پہلے حضرت حذیفہؓ بن الیمان اور عثمان بن حنیف سے فرمایا کہ تم دونوں اپنے علاقہ کا جائزہ لو کہ کہیں تم نے زمین پر اتنا خراج تو عائد نہیں کر دیا جو وہاں کے لوگوں کی قوت برداشت سے زائد ہو۔ان دونوں حضرات نے کہا کہ ہم نے اتنا ہی خراج عائد کیا ہے جو اس زمین کی پیداواری صلاحیت سے مطابقت رکھتا ہے اور وہاں کے لوگوں کے لئے اسی قدر چھوڑ دیا ہے۔(۵۸)

۴:۔ٹیکس کی وصولی میں انصاف:

ٹیکسوں کی وصولیابی میں انصاف یہ ہے کہ قحط کے زمانے میں ٹیکس وصول نہ کیا جائے۔ بلکہ فراوانی کے دنوں میں اور فصل کے آخری دنوں میں جب لوگوں کے پاس پیداوار آ جائے اور وہ خوشحال ہو جائیں تب ٹیکس وصول کیا جائے۔سیدنا عمرؓ کے عامل سعید بن عامر نے خراج کی رقم داخل کرانے میں دیر کر دی آپؓ نے اس سے سخت باز پرس کی جس پر انہوں نے کہا کہ آپؓ نے حکم دے رکھا ہے کہ ہم کاشت کاروں سے چار چار دینار سے

زائد وصول نہ کریں۔ چنانچہ ہم اس سے زیادہ وصول نہیں کرتے۔ بلکہ ہم نے انہیں فصلیں کٹنے تک مہلت دے دی ہے۔ اس پر سیدنا عمرؓ نے کہا جب تک میں زندہ ہوں تمہیں اس عہدہ سے معزول نہیں کروں گا۔(۵۹)

۵:- غرباء کو ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کی ضمانت فراہم کرنے میں عدل:

سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے زندگی دی تو میں عراق میں بیواؤں کو اس حال میں چھوڑ کر جاؤں گا کہ میرے بعد ان کو کسی کا دست نگر نہ ہونا پڑے۔(۶۰)

(س) وہ امور جو عدل وانصاف قائم کرنے میں مددگار ہوتے ہیں:

وہ امور یہ ہیں:

۱:- امیر کا رعایا سے چھپ کر اور دور دور نہ رہنا:

امیر کا یہ فرض ہے کہ اپنے اور لوگوں کے درمیان کی ہر رکاوٹ کو دور کر دے تاکہ ہر مظلوم اپنی آواز حاکم تک پہنچا سکے۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت سعدؓ نے دروازہ بنوالیا ہے اور اب لوگوں کی آوازیں ان تک نہیں پہنچتیں۔ سیدنا عمرؓ نے ان کو پیغام بھیجا تو انہوں نے وہ دروازہ جلوادیا اور محمد بن مسلمہ انصاری جو امراء کے پاس جانے کے لئے سیدنا عمرؓ کے سفیر تھے۔ حضرت سعد کے پاس بھیجا۔ وہ سعد کا ہاتھ پکڑ کا باہر لائے۔ اور انہیں کہا کہ یہاں لوگوں کے درمیان بیٹھیں۔ اس پر سعد نے اس سے اپنے سابق رویہ کی معذرت کی۔(۶۱)

۲:- امیر کا باخبر رہنا:

امیر کو چاہئے کہ براہ راست خود لوگوں کی تکالیف اور ناانصافیوں پر نظر رکھے اور اگر اس کے پاس اس کام کے لئے فرصت نہ ہو تو قابل اعتماد افراد کا تعاون حاصل کرے۔

۳:- دشوار امور میں امراء امیر المومنین کی جانب رجوع کریں:

امیر المومنین اپنے کام اور مقام کی بناء پر دوسروں سے زیادہ دور رس نگاہ کا مالک اور زیادہ صحیح فکر رکھنے والا ہوتا ہے۔ لٰہذا وہ اہم معاملات میں شوریٰ سے مشورہ لے کر زیادہ بہتر رائے اختیار کر سکے گا۔ سیدنا عمرؓ نے امراء کو ہدایات دے رکھی تھیں کہ اہم معاملات میں امیر المومنین سے مشورہ کریں۔

(ص) عوام کے حالات کی خبر گیری:

ا:- غلاموں کی خبر گیری:

امیر کو چاہئے کہ عوام کے مسائل و معاملات کا پتہ لگا تا رہے تا کہ ان کے حقیقی حالات سے باخبر رہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ سیدنا عمرؓ ہر ہفتہ کے دن عوالی مدینہ کی طرف جاتے تھے اور اگر کسی غلام سے اس کی برداشت سے زیادہ کام لیا جا رہا ہو تو اس کے کام میں کمی کر دیتے تھے۔ (۶۲)

۲:- رات کا گشت:

سیدنا عمرؓ عوام کے حالات جاننے کے لئے رات کو گلیوں اور بازاروں کا گشت لگایا کرتے تھے آپؓ کے گشت ہائے شبینہ کے اکثر واقعات بہت مشہور ہیں۔ ان واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپؓ کسی گھر کے پاس سے گزرے تو آپؓ نے سنا کہ ایک عورت اپنے گھر میں یہ اشعار پڑھ رہی ہے۔

"یہ رات بہت لمبی ہے جس کے ستارے سرگرم سفر ہیں لیکن میرا رفیق
موجود نہیں ہے جس سے میں دل بہلاؤں اور اس کی معیت سے لطف
اندوز ہوں تنہائی ایسی ہے کہ چاند بھی ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میری
نگرانی کر رہا ہے۔ خدا کے سوا کوئی نہیں ہے وہی نگران اور وکیل ہے
اور ہماری زندگی کے ہر لمحے کو اس کا کاتب لکھ رہا ہے۔"

پھر اس عورت نے لمبا سانس لیا اور بولی عمرؓ کے لئے تو آسان ہے کہ اس نے میرے شوہر کو بھیج دیا اور مجھے تنہائی کا شکار بنا دیا۔

سیدنا عمرؓ یہ سب باتیں کھڑے سن رہے تھے۔ بولے اللہ تجھ پر رحم کرے پھر آپؓ نے اس کے پاس کپڑے اور کچھ رقم بھیجی اور اس کے شوہر کو واپس آنے کے لئے لکھا۔

شعبی کی ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد سیدنا عمرؓ ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس گئے۔ حضرت حفصہؓ نے دریافت کیا کہ امیر المومنین اس وقت کیسے تشریف لائے؟ سیدنا عمرؓ نے کہا: بیٹی یہ بتاؤ کہ عورت اپنے شوہر کے بغیر کتنے دن گزار سکتی ہے؟ انہوں نے فرمایا: چھ ماہ۔ اس کے بعد سیدنا عمرؓ کسی لشکر کو چھ ماہ سے زیادہ

حالتِ جنگ میں نہیں رکھتے تھے۔(۶۳)

(ط)عوام کے فکری اور مادی معیار کو بلند کرنا:

عوام کی فکری سطح بلند کرنے کے سلسلہ میں سیدنا عمرؓ کا یہ قول ذکر کر دینا کافی ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ میں نے امراء کو محض اس لئے بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں۔(۶۴)

مادی لحاظ سے عوام کا معیار بلند کرنے کے بارے میں سیدنا عمرؓ کا یہ قول کافی ہے کہ تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں تمہارے خراج میں سے اس فئے میں جو اللہ نے تمہیں دیا ہے کچھ نہ لوں مگر جائز طریقہ پر مجھ پر تمہارا یہ حق عائد ہوتا ہے کہ جب فئے میرے ہاتھ میں آجائے تو وہ خرچ نہ ہو مگر حق کے مطابق۔اور مجھ پر تمہارا یہ حق بھی ہے کہ میں تمہارے عطیات اور ماہانہ وظیفوں میں اضافہ کروں۔(۶۵)

(ع)حکومت کے ملازمین اور عمال کی نگرانی اور ان کے حالات سے باخبر رہنا:

سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں تم پر ایک ایسے شخص کو عامل بنادوں جو ان سب سے بہتر ہو جنہیں میں جانتا ہوں اور اسے عدل وانصاف کرنے کا حکم دے دوں تو کیا میں نے اپنا فرض پورا کر دیا؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں اس پر سیدنا عمرؓ نے کہا کہ نہیں بلکہ میرا یہ فرض بھی ہے کہ میں دیکھوں کہ یہ عامل میرے احکام کی تعمیل بھی کر رہا ہے یا نہیں۔(۶۶)

ا:-خفیہ معلومات:

آپؓ ایسے اشخاص روانہ کیا کرتے تھے۔جو امراء اور عمال حکومت کے بارے میں خفیہ طور پر معلومات جمع کرتے اور آپؓ کو اصل حقائق سے آگاہ کرے۔آپؓ نے اپنے عامل کعب بن مالکؓ کو لکھا کہ:

> امابعد اپنی ذمہ داریاں کسی شخص کے سپرد کر کے تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ارض سواد کے سفر پر روانہ ہو جاؤ اور ہر چھاؤنی پر وہاں کے عمال کے بارے میں معلومات جمع کرو اور دجلہ اور فرات کے مابین تمام عمال کے بارے میں اسی طرح اطلاعات اکٹھی کر کے بغداد کی چھاؤنی بھقباذ پہنچ جاؤ اور اس کے فرائض کی ذمہ داری سنبھال لو اور جس علاقے

کا اللہ نے میں والی بنایا ہے اس پر اللہ کے احکام کے مطابق عمل کرو۔(٦٧)

٢:-وفود سے سوالات:

سیدنا عمرؓ کے پاس جب وفود آتے تو آپ ان سے ان کے امراء کے بارے میں پوچھتے کہ کیا وہ مریضوں کی عیادت کرتے ہیں؟ غلاموں کی بات سنتے ہیں؟ ان کا طرزِ عمل کیسا ہے؟ کیا ان کے دروازے پر دربان ہوتا ہے؟ اگر ایک بات کا جواب نفی میں ہوتا تو ایسے امیر کو آپؓ معزول کر دیتے تھے۔(٦٨)

(ف)دوسروں سے مشورہ لیتے رہنا:

سیدنا عمرؓ بکثرت مشورے لیا کرتے تھے تاکہ فیصلہ میں غلطی نہ ہو۔ زہری کہتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ کی مجلس میں جوان اور بوڑھے علماء ہر وقت موجود رہتے اور کبھی کبھی سیدنا عمرؓ ان سے مشورہ کرتے وقت یہ وضاحت کر دیا کرتے کہ کوئی شخص ایسا نہ ہو کہ اپنی کم عمری کی بناء پر رائے نہ دے۔ کیونکہ علم کا تعلق عمر کی کمی بیشی سے نہیں ہے بلکہ اللہ سبحانہ کے فضل سے ہے جس کو چاہے عطا کرے۔(٦٩)

(ک)خود کو رعایا کے لئے رہبر و رہنما بنانا:

سیدنا عمرؓ نے کس قدر خوبصورت اور نورانی کلمات فرمائے اور ان الفاظ کے ذریعہ آپ نے ہر حکمران کے لئے ایسا رہنما اصول بیان کر دیا ہے کہ کسی حکمران کو اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں ہے اور وہ یہ کہ لوگ امام کو وہی کچھ پیش کریں گے جو خود امام اللہ کے حضور پیش کرے گا۔ یعنی لوگ اس وقت تک امام کی اطاعت کریں گے جب تک امام اللہ کی اطاعت کرے گا اور جب حکمران آزاد ہو جائے گا تو رعایا بھی اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آزاد ہو جائے گی۔(٧٠)

(ل)امراء کے لئے چند اہم زریں فاروقی مشورے:

سیدنا عمرؓ رعایا کی خوشحالی کے لئے بہترین اقدامات فرماتے اور امراء کو ایسی ہدایات اور مشورے دیتے رہتے جس میں امراء کا بھی فائدہ ہوتا اور رعایا کا بھی۔ آپؓ ہر ایسے امر سے بچنے کے لئے امراء کو مشورے دیتے

رہتے کہ جس میں امیر کی ذات کو نقصان کا شائبہ ہوتا۔ چند زریں مشورے حسبِ ذیل ہیں:

ا:- امیر کی تجارت خسارہ ہے:

سیدنا عمرؓ اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کے لوگوں کو ایسی باتوں سے بلند اور دور رکھتے جن میں تہمت کا اندیشہ ہو۔ اسی لئے سیدنا عمرؓ کسی امیر کو تجارت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ آپؓ نے حضرت ابوموسی اشعریؓ کو لکھا کہ نہ خرید و فروخت کرو اور نہ کاروبار میں کسی دوسرے کے ساتھ شرکت کرو، نہ فیصلہ کے لئے رشوت لو اور نہ غصہ کی حالت میں دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ (۷۱)

۲:- سیدنا عمرؓ کا اپنے اہل وعیال کے بارے طرزِ عمل:

سیدنا عمرؓ نے اپنے خاندان کے افراد کو لوگوں کے ساتھ تجارت کرنے کی اجازت تو دی لیکن حکومت کے ساتھ تجارت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ افراد خاندان میں سے کسی کو اجازت نہیں تھی کہ وہ اموال عامہ میں سے کوئی شے خریدے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ لوگ تہمت عائد کریں (کہ حکمران خاندان نے اپنی سرکاری حیثیت سے فائدہ اٹھایا ہے۔) چنانچہ آپؓ کے ایک صاحبزادے نے جلولاء کی غنیمتیں خرید لیں تو آپؓ نے انہیں واپس کرا دیا اور فرمایا کہ اس نے ایسا قدم اٹھایا ہے جس سے اس پر تہمت لگ سکتی ہے۔ (۷۲)

۳:- آسائش و زیبائش اور فضول خرچی سے احتراز کرنا:

اگر امیر اور حکمران خاندان زندگی کی آسائشوں کو اختیار کرے گا تو رعایا کو شک ہوگا کہ حکمران ان کے محاصل کی آمدنی میں سے اپنے آرام و آسائش پر خرچ کر رہا ہے اسی لئے سیدنا عمرؓ جب کسی کو امیر مقرر کرتے تو انصار اور کچھ دیگر لوگوں کو گواہ بنا کر اس پر چار شرائط عائد کرتے کہ گھوڑے پر سوار نہیں ہوگے۔ باریک لباس نہیں پہنو گے۔ چھنے ہوئے سفید آٹے کی روٹی نہیں کھاؤ گے اور لوگوں کے کاموں سے بچنے کے لئے اپنے دروازے بند نہیں کرو گے اور نہ دروازے پر دربان مقرر کرو گے۔ (۷۳)

فصل سوم:

تراویح کی نماز میں سیدنا عمر فاروقؓ کی اجتہادی رائے

تراویح کا مفہوم:

نماز تراویح وہ نفل نماز ہے جو مسلمان رمضان کے مہینہ میں وتر سے قبل اور نماز عشاء کے بعد پڑھتے ہیں۔ اس کا واحد ترویحۃ ہے اس کا معنی راحت پہنچانا ہے۔احناف کے ہاں رمضان میں عشاء کے بعد دو سلام کے ساتھ چار رکعت کو ترویحہ کہتے ہیں۔صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"يُسْتَحَبُّ اَنْ يَّجْتَمِعَ النَّاسُ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بَعْدَ الْعِشَاءِ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ اِمَامُهُمْ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ." (۷۴)

"یہ مستحب ہے کہ لوگ رمضان میں عشاء کے بعد جمع ہوں اور انہیں ان کا امام پانچ ترویحہ (۲۰ رکعات) نماز پڑھائے۔"

عہد نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اور عہد صدیقی میں تراویح نماز:

نماز تراویح کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مستحب ہے خود نبی کریم ﷺ کا جماعت کرانا ثابت ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ:

"نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ۲۳ رمضان المبارک کی رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثلث لیل تک قیام کیا پھر ۲۵ کی رات نصف اللیل تک پھر ۲۷ کی رات ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ اتنا لمبا قیام کیا کہ ہمیں برابر یہ خیال دامنگیر رہا کہ ہم سحری کا کھانا نہیں کھا سکیں گے۔" (۷۵)

مذکورہ حدیث پاک سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ تراویح کا باجماعت پڑھنا مسنون ہے۔

بخاری شریف میں بھی ایک روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک

میں تین راتوں میں مسلسل تراویح کی جماعت کروائی اور چوتھی رات آپ ﷺ حجرہ سے باہر تشریف نہ لائے۔ صبح جب صحابہ کرامؓ نے وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں رات تراویح کی جماعت اس خدشہ کے پیش نظر نہیں کرائی کہ کہیں باجماعت تراویح پڑھنا فرض نہ ہو جائے۔(۷۶)

علامہ ناصر الدین البانی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ خطرہ (کہ تراویح فرض نہ ہو جائے) ختم ہو گیا پس علت کے زوال سے معلول زائل ہو گیا اور جماعت کی مشروعیت ثابت رہی۔(۷۷)

عہد صدیقیؓ میں بھی صحابہؓ متفرق طور پر مذکورہ طریقہ کے مطابق عمل کرتے رہے۔

عہد فاروقی میں تراویح:

علامہ البانی لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت کی مشروعیت کا احیاء فرمایا۔ چنانچہ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔(۷۸) تراویح کے بارے میں سیدنا عمرؓ کے ارشادات کچھ اس طرح ہیں:

ا:۔ رمضان المبارک کی پہلی شب سیدنا عمرؓ کا خطبہ:

حضرت عمرؓ لوگوں کو تراویح کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ جب رمضان المبارک کی پہلی شب ہوتی تو آپؓ نماز مغرب پڑھنے کے بعد کہتے: کہ سب لوگ بیٹھ جائیں۔ اس کے بعد ایک مختصر سا خطبہ دیتے اور فرماتے امابعد: تم پر اس مہینے کے روزے فرض ہیں لیکن قیام فرض نہیں ہے لیکن جو شخص قیام کی قدرت رکھتا ہو وہ ضرور قیام کرے کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے نوافل خیر فرمایا ہے اور اگر کوئی شخص قیام کی قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ سوتا رہے اور کوئی شخص یہ ہرگز نہ کہے کہ فلاں شخص روزہ رکھے گا تو میں بھی رکھ لوں گا اور فلاں شخص قیام کرے گا تو میں بھی کرلوں گا۔ جو شخص روزہ رکھے یا قیام اللیل کرے صرف اللہ کے لئے کرے۔(۷۹)

۲:۔ مردوں اور عورتوں کو یکساں حکم:

حضرت عمرؓ نے جہاں مردوں کو تراویح پڑھانے کے لئے امام مقرر کیا عورتوں کو تراویح پڑھانے کے لئے بھی سلیمان بن ابی حثمہ کو امام مقرر کیا تھا۔(۸۰)

۳:- تراویح کی مشترکہ جماعت:

ابتدا میں لوگ تراویح کی نماز انفرادی طور پر یا کئی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بنا کر پڑھا کرتے تھے۔ سیدنا عمرؓ نے مناسب سمجھا کہ سب مشترکہ جماعت کی صورت میں تراویح پڑھا کریں۔ چنانچہ آپؓ نے جماعت کھڑی کی اور حضرت ابی بن کعبؓ کو ان کی امامت کے لئے مقرر کر دیا۔

عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے مروی ہے کہ میں رمضان میں ایک شب حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد گیا تو دیکھا کہ لوگ متفرق طور پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ کوئی تنہا پڑھ رہا ہے اور کسی کے پیچھے کچھ لوگ بھی کھڑے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ اگر یہ سب ایک قاری کی امامت میں متحد ہو جائیں تو بہت اچھا ہو۔ پھر آپؓ نے یہی فیصلہ کر لیا اور ابیؓ بن کعب کو مامور کیا کہ وہ سب کو نماز پڑھائیں۔ پھر میں ایک اور رات حضرت عمرؓ کے ساتھ باہر نکلا تو دیکھا کہ سب لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ یعنی رات کے آخری حصہ میں جب کہ لوگ پہلے رات کے اول حصہ میں قیام کیا کرتے تھے۔ (۸۱)

مذکورہ روایت کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

> " قُلْتُ مَعْنَاهُ اَنَّهُ بِدْعَةٌ مُسْتَحَبَّةٌ مِنْ جِهَتِهِ اِجْتِمَاعِ النَّاسِ عَلَيْهَا وَاِنْ كَانَتْ سُنَّةً فِي الْاَصْلِ." (۸۲)
>
> میں کہتا ہوں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ بدعتِ مستحبہ ہے اس پر لوگوں کے اجماع ہونے کی حیثیت سے اگرچہ باعتبار اصل کے سنت ہے۔

۴:- تراویح کا وقت:

نمازِ عشاء کے بعد سے فجر کی نماز کا وقت ہونے تک تراویح کا وقت ہے۔ لیکن افضل یہی ہے کہ شب کے آخری حصہ میں تراویح پڑھے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سیدنا عمرؓ نے مجھے رمضان میں ایک رات دعوت دی کہ میں سحر تک ان کے پاس ٹھہروں اور وہیں سحری کا کھانا کھاؤں۔ رات کو جب لوگ مسجد سے باہر نکلے اور حضرت عمرؓ نے ان کے قدموں کی آواز سنی تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے بتایا کہ لوگ مسجد سے جا رہے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ میرے نزدیک تو جو رات باقی رہ گئی ہے وہ اس سے بہتر ہے جو گزر گئی

ہے۔(۸۳)

۵:-تراویح کی رکعتوں کی تعداد:

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے تمام لوگوں کو ابی کعبؓ اور تمیم داری کی امامت میں جمع کر دیا تھا یہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھاتے تھے(۸۴) اور امام مالکؒ نے موطا میں سائب بن یزید کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داری کو مقرر کیا تھا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھایا کرے اور ہر قاری ایک ایک رکعت میں سوسو آیتوں والی سورتیں تلاوت کرتا تھا یہاں تک کہ ہم طویل قیام سے تھک کر سہارا لیتے اور طلوعِ فجر کے قریب واپس پلٹتے۔(۸۵)

مذکورہ روایت کے مقابل وہ روایت ہے جو عبدالرزاق نے اپنی تصنیف میں محمد بن یوسف کے واسطے سے انہی سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔(۸۶)

اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو امام مالکؒ نے موطا میں یزید بن رومان سے نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ تیئس رکعتیں پڑھتے تھے یعنی وتر شامل کر کے۔(۸۷)

محمد رواس قلعہ جی ''فقہ عمر'' میں لکھتے ہیں:

> ''میں کہتا ہوں کہ دونوں روایتوں میں تعارض نہیں ہے کیونکہ سیدنا عمرؓ نے ہر دو اماموں یعنی حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ کو وتر کے ساتھ گیارہ گیارہ رکعتیں پڑھانے کے لئے کہا تھا۔مگر ہر دو اماموں نے ان مبارک راتوں میں اپنے دل میں بھی اور لوگوں کے دلوں میں بھی عبادت کا ذوق و شوق محسوس کیا اور بیس رکعتیں پڑھانے لگے۔''(۸۸)

مذکورہ روایات احناف کے موقف کو مضبوط بناتی ہیں۔تراویح کی جماعت کے بارے میں اجماع ہے لیکن رکعتوں کے بارے میں اختلاف ہے۔علامہ ناصر الدین البانی نے ایک مفصل رسالے میں تراویح کی رکعتوں کے بارے میں اختلاف کو وضاحت اور تحقیقی انداز میں لکھا ہے۔ان کے نزدیک گیارہ رکعات سے زیادہ تراویح پڑھنا

جائز نہیں۔اس سلسلے میں انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کے عمل سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

گزشتہ صفحات میں بیان کردہ روایات کو دیکھنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ سیدنا عمرؓ نے تراویح کی نماز میں مسلمانوں کو یکجا کر دیا جو متفرق ٹولیوں کی شکل میں نماز ادا کرتے تھے۔اور تراویح کی بیس رکعتوں کا ثبوت بھی مصنف عبدالرزاق اور موطا امام مالک والی روایتوں سے ملتا ہے۔اور یہی احناف کا موقف ہے۔یعنی عہد فاروقی میں بیس تراویح پر ہی استقرار رہا اور یہی متوارث ہیں۔

فصل چہارم:

طلاق کے بارے میں سیدنا عمرؓ کا نقطہ نظر

طلاق کا مفہوم:

طلاق کے لغوی معنی ''ترک'' اور ''مفارقت'' کے ہیں۔ امام سرخسیؒ نے طلاق کے لغوی معنی ''ازالۃ القید'' کے لکھے ہیں یعنی قید سے رہائی اور چھٹکارا۔ اس کا مادہ ''طلق'' ہے۔ جس سے لفظ ''اطلاق'' ماخوذ ہے جس کے معنی رہائی کے ہیں۔ (۸۹)

شرع میں طلاق مخصوص الفاظ کے ساتھ اس قید کے اٹھا دینے کو کہتے ہیں جو نکاح کے وقت سے قائم ہو۔ (۹۰)

امام ابن ہمامؒ نے طلاق کی تعریف اس طرح کی ہے:

''وَفِی الشَّرْعِ رَفْعُ قَیْدِ النَّکَاحِ بِلَفْظٍ مَخْصُوصٍ اَوْ بِکِنَایَۃٍ وَغَیْرِھِمَا کَقَوْلِ الْقَاضِیْ'' (۹۱)

''شرع میں مخصوص الفاظ یا کنایہ یا کسی دوسرے ذریعے مثلاً قاضی کے حکم سے قید نکاح اٹھا دینے کو طلاق کہتے ہیں''

طلاق کی اقسام:

فقہائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ طلاق کی ابتداءً تین قسمیں ہیں:

۱:- طلاق رجعی   ۲:- طلاق بائن   ۳:- طلاق مغلّظہ

۱:- طلاق رجعی:

وہ طلاق ہے جس کے بعد شوہر کو یہ اختیار رہتا ہے کہ وہ (عدت کے دوران) یکطرفہ طور پر طلاق سے رجوع کر کے تعلقات پھر سے قائم کر لے۔ (۹۲)

تمام فقہا کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ طلاقِ رجعی اس وقت ہوتی ہے جب تین شرائط پائی جائیں:

ا:- جس عورت کو طلاق دی جا رہی ہے اس کے ساتھ نکاح کے بعد خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہو۔

ب:- طلاقیں تین سے کم دی گئی ہوں۔

ج:- طلاق کا کوئی مالی معاوضہ مقرر نہ ہوا ہو۔

امام ابوحنیفہؒ اس پر ایک اور شرط کا اضافہ کرتے ہیں اور وہ یہ کہ طلاق صریح الفاظ کے ساتھ دی گئی ہو کیونکہ ان کے نزدیک کنائے کے بیشتر الفاظ سے طلاقِ رجعی نہیں رہتی۔(۹۳)

۲:- طلاق بائن

اصطلاحاً اس طلاق کو کہتے ہیں جس کے بعد شوہر یک طرفہ طور پر رجوع نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر عورت راضی ہو تو اس سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ طلاق بائن مندرجہ ذیل طریقوں سے ہو سکتی ہے:

ا:- جس عورت کو طلاق دی ہے اس کے ساتھ نکاح کے بعد خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی ہو۔ اس صورت میں ایک طلاق بھی طلاق بائن ہوگی اور یہ حکم اجماعی ہے۔(۹۴)

ب:- طلاق دینے والے نے یہ صراحت کر دی ہو کہ وہ طلاق بائن دے رہا ہے۔

ج:- طلاق پر کوئی معاوضہ مقرر کر لیا گیا ہو۔(۹۵)

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک طلاق بائن کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ طلاق صریح الفاظ کے بجائے الفاظ کنایہ سے دی گئی ہو۔(۹۶)

۳:- طلاق مغلّظہ

وہ طلاق جس کے بعد مطلقہ سے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا اور یہ کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ مرد اس سے خلوت صحیحہ کے بعد اپنی مرضی سے اس کو طلاق دے دے یا اس کا انتقال ہو جائے۔ جسے عموماً حلالہ کہتے ہیں۔ یہ طلاق صرف اس وقت متحقق ہوتی ہے جب کہ طلاق دینے والے نے تین طلاقیں دی ہوں خواہ ایک ہی وقت میں تین دی گئی ہوں یا متفرق اوقات میں تین کا عدد پورا کر دیا گیا ہو۔(۹۷)

طریقہء طلاق کے اعتبار سے طلاق کی اقسام:

فقہا نے اس کی تین اقسام بیان کی ہیں:

ا:- طلاق احسن ۲:- طلاق حسن ۳:- طلاق بدعت

ا:- طلاق احسن:

بیوی کو ایسے طہر کی حالت میں صرف ایک طلاق دی جائے جس میں اس کے ساتھ مباشرت نہ کی ہو اور پھر عدت گزرنے تک اس ایک طلاق پر کوئی اضافہ نہ کیا جائے یہاں تک کہ عدت گزرنے کے بعد نکاح خود بخود ختم ہو جائے۔ یہ طریقہ تمام صحابہؓ اور فقہا کے نزدیک طلاق کے تمام طریقوں میں سب سے بہتر ہے۔(۹۸)

حضرت علیؓ، حضرت طاوسؒ، ابو قلابہؒ اور ابراہیم نخعیؒ وغیرہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اسے طلاقِ سنت قرار دیا۔(۹۹)

۲:- طلاق حسن:

تین مختلف طہروں میں متفرق کر کے تین طلاقیں دی جائیں۔ اس طریقے کے لئے خود بخود آنحضرت ﷺ نے ''سنت'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔(۱۰۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی اسے طلاق سنت قرار دیا ہے۔(۱۰۱)

لیکن اس طریقے کو طلاق سنت کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس طرح طلاق دینا باعث ثواب یا کوئی مستحب یا محبوب کام ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ طریقہ دین میں معتبر ہے اور اس پر کوئی عذاب نہیں ہوگا۔(۱۰۲)

۳:- طلاق بدعت:

وہ طلاق ہے جس میں طلاق دینے کے لئے کوئی غیر شرعی طریقہ اختیار کیا گیا ہو۔ اس کی تین صورتیں ہیں:

ا:- حالتِ حیض میں طلاق دی ہو۔

ب:- ایسے طہر میں طلاق دی ہو جس میں مباشرت ہو چکی تھی۔

ج:- تین طلاقیں بیک وقت دے دی ہوں۔

جہاں تک حالتِ حیض میں یا ایسے طہر میں طلاق دینے کا تعلق ہے جس میں مباشرت ہوچکی ہو۔ یہ باتفاق طلاقِ بدعت ہے اور ناجائز ہے۔ اور اس پر بھی تقریباً تمام فقہا متفق ہیں کہ ناجائز ہونے کے باوجود ایسی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔(۱۰۳)

قرآن وسنت میں طلاق کے بارے میں احکامات:

قرآن وسنت میں طلاق کے بارے میں تفصیلی احکامات موجود ہیں۔ مثلاً دو طلاق تک رجعت کا حق رہتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ط"(۱۰۴)

طلاق دو بار ہے پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔

اور تین طلاق کے بعد رجوع کا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ ط"(۱۰۵)

پھر اگر (دو بار طلاق دینے کے بعد شوہر نے عورت کو تیسری بار) طلاق دیدی تو وہ عورت پھر اس کے لئے حلال نہ ہوگی۔ الا یہ کہ اسکا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہو۔

طلاق اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک حلال کاموں میں ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

"اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی الطَّلَاقُ"(۱۰۶)

حلال کاموں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ترین کام طلاق ہے۔

مسئلہ طلاق ثلاثہ:

طلاق کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں یا کہ نہیں۔امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور بیشتر علماءِ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسی صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔اور یہ طلاق مغلظہ شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد شوہر کے لئے حلالہ کے بغیر مطلقہ بیوی سے نیا نکاح کرنا بھی جائز نہیں۔(۱۰۷)

البتہ فقہ جعفری اور بعض اہل ظواہر مثلاً امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایک طہر میں دی ہوئی تین طلاقیں تین شمار نہیں ہوتیں۔پھر فقہ جعفری میں تو ایسی طلاقیں بالکل لغو سمجھی جاتی ہیں اور ایک بھی واقع نہیں ہوتی۔(۱۰۸)

لیکن امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ وغیرہ کے نزدیک ایک واقع ہوتی ہے اور باقی دو لغو ہو جاتی ہیں۔(۱۰۹)

دو بنیادی دلیلیں:

جو لوگ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے ہیں۔ان کی بنیادی دلیلیں دو ہیں:

پہلی دلیل:

حضرت رکانہؓ بن عبد یزید کا واقع ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دی تھیں۔ بعد میں انہیں اس پر افسوس ہوا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے کس طرح طلاق دی تھی انہوں نے کہا کہ تین طلاقیں دی تھیں۔آپ ﷺ نے پوچھا ایک مجلس میں؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا! کہ یہ ایک طلاق ہوئی ہے۔پس اگر تم چاہو تو اپنی بیوی سے رجوع کرلو۔(۱۱۰)

دوسری دلیل:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر کے زمانے میں نیز حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو برسوں میں تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپؓ نے تینوں کو نافذ

کر دیا۔(۱۱۱)

مذکورہ روایات کے جواب میں آئمہ اربعہ اور فقہا کی اکثریت کا موقف یہ ہے کہ تین طلاقیں دینے کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت:

ایک یہ کہ تین طلاقیں دی جائیں اور نیت بھی تین ہی کی ہو اس صورت میں تو کبھی تین طلاقوں کو ایک قرار نہیں دیا گیا۔

دوسری صورت:

طلاق دینے والا تو ایک ہی دینا چاہتا ہو۔لیکن اس نے اسی ایک طلاق کی تاکید کے خیال سے طلاق کے الفاظ تین مرتبہ استعمال کر لئے ہوں۔

دوسری صورت میں سیدنا عمرؓ کے ابتدائی عہد خلافت تک معمول یہ تھا کہ اگر کوئی شخص یہ حلفیہ بیان دیتا کہ میرا مقصد تین طلاقیں دینا نہیں تھا۔ بلکہ تاکید کے خیال سے طلاق کے الفاظ تین مرتبہ استعمال کر لئے تھے تو اس کی بات کا اعتبار کر کے اسے ایک طلاق شمار کر لیا جاتا تھا۔

حضرت رکانہؓ بن عبد یزید کے واقعہ میں بھی یہی ہوا۔کہ اول تو روایات میں یہ اختلاف ہے کہ انہوں نے تین طلاقیں دی تھیں یا لفظ ''البتۃ'' سے طلاق دی تھی لیکن اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے دو مرتبہ قسم دیکر پوچھا: ''ما اردت الا واحدۃ؟'' (تم نے تو صرف ایک طلاق کا ہی ارادہ کیا تھا) اس کے جواب میں حضرت رکانہؓ نے قسم کھا کر کہا: میرا ارادہ صرف ایک طلاق دینے کا تھا۔اس پر آپ ﷺ نے ان کی بیوی کو ان کے پاس واپس جانے کا حکم دے دیا۔(۱۱۲)

اگر اس روایت میں یہ ثابت ہو کہ حضرت رکانہؓ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں تو یہ ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں رجوع کی اجازت اس وقت دی تھی جب ان سے قسمیں لے کر یہ اطمینان فرمالیا کہ ان کی نیت ایک طلاق دینے کی تھی۔اور الفاظِ طلاق محض تاکید کے خیال سے بار بار استعمال کر لئے تھے۔لہٰذا اس

روایت سے یہ استدلال درست نہیں کہ تین طلاقوں کو اس وقت بھی ایک ہی شمار کیا جائے گا جب نیت تین طلاقوں ہی کی ہو۔ ہاں اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص عہد رسالت میں یہ حلفیہ بیان دیتا کہ تین مرتبہ الفاظِ طلاق سے اس کا مقصد محض تاکید تھا تو اس کا اعتبار کر لیا جاتا تھا۔

عہد فاروقی میں مسئلہ طلاق ثلاثہ:

سیدنا عمر فاروق ؓ نے اپنے عہد خلافت میں جب یہ محسوس کیا کہ دیانت کا معیار گھٹ رہا ہے اور اندیشہ ہے کہ لوگ اس قسم کا جھوٹا بیان دے کر حرام کا ارتکاب کرنے لگیں گے تو انہوں نے صحابہ ؓ کے مشورے اور اتفاق سے یہ حکم جاری کر دیا کہ آئندہ جو شخص بھی تین مرتبہ الفاظ طلاق استعمال کرے گا اسے ہر صورت میں طلاق مغلظ قرار دیا جائے گا۔ اور اس معاملے میں تاکید کا عذر عدالتی سطح پر قابلِ تسلیم نہیں ہو گا۔

حضرت ابن عباس ؓ کی حدیث میں یہی واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ جہاں تک تین کی نیت سے تین طلاقیں دینے کا تعلق ہے انہیں کبھی ایک طلاق قرار نہیں دیا گیا۔ خود رسول اللہ ﷺ سے ایسی متعدد روایات مروی ہیں جن میں آپ ﷺ نے ایک ہی مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو تین قرار دیا۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے حضرت عبادہ بن الصامت ؓ کی روایت ہے کہ ان کے والد نے اپنی اہلیہ کو ہزار طلاقیں دے دیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے تین کو نافذ فرمایا اور بقیہ نو سو ستانوے کو لغو اور ظلم قرار دیا۔ (۱۱۳)

امام دارقطنیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیتا تو کیا مجھے رجوع کا حق رہتا؟ اس پر آپ ﷺ نے جواب دیا: نہیں اس وقت تمہاری بیوی بائنہ ہو جاتی اور یہ گناہ کا کام ہوتا۔ (۱۱۴)

جہاں تک سیدنا عمر ؓ کے فیصلے کا تعلق ہے اس پر کسی صحابی کا اختلاف منقول نہیں بلکہ تمام فقہا صحابہ ؓ سے اس کی تائید میں بکثرت روایات مروی ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عباس ؓ جن کی روایت اوپر گزر چکی ہے۔ خود وہ یہ فتویٰ دینے لگے تھے کہ تین طلاقوں کو بہر حال تین شمار کیا جائیگا۔ (۱۱۵)

ان کے علاوہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ، قاضی شریح اور حسن بصریؒ سے بھی اسی قسم کے فتاویٰ منقول ہیں۔(۱۱۶)

عہد فاروقیؓ میں طلاق ثلاثہ کے بارے چند مثالیں:

سیدنا عمر فاروقؓ کے پاس جب کوئی ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوتیں تو آپؓ اسے مار پیٹ کر سزا دیتے اور دونوں میں تفریق کرا دیتے۔(۱۱۷)

زیدؓ بن وہب سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں۔ یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو اس شخص نے کہا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے سر پر کوڑا مارا اور دونوں میں جدائی کرادی۔(۱۱۸)

حضرت انسؓ بن مالک سے جب ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو باکرہ بیوی کو قبل دخول تین طلاقیں دے دے تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ ابن الخطاب ان کے درمیان تفریق کرداتے تھے اور اسے مارا کرتے تھے۔(۱۱۹)

ایک شخص نے کہا کہ جس عورت سے بھی میں نکاح کروں اسے تین طلاق۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اسی طرح ہے جس طرح تم نے کہا (یعنی اسے طلاق ہوگئی)(۱۲۰)

حضرت عمرؓ کے عامل عراق نے حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''حبلک علی غاربک'' (جو تمہاری مرضی ہے کرو) حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اسے حکم دیں کہ حج کے موسم میں مجھ سے مکہ میں ملے۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ وہ شخص آپؓ سے ملا اور اس نے سلام کیا۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں وہ شخص ہوں جس کے بارے میں آپؓ نے حکم دیا تھا کہ میں یہاں آپؓ کے پاس پہنچوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس گھر (کعبہ) کے رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ ''حبلک علی غاربک'' کہتے وقت تمہاری کیا نیت تھی؟ اس شخص نے کہا کہ اگر آپؓ اس گھر کے علاوہ کہیں اور مجھے قسم دیتے تو میں سچ نہ بولتا میری نیت علیحدگی کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر وہی ہے جو تم نے نیت

ی۔(۱۲۱)

مذکورہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ طلاق ثلاثہ کے بارے میں سیدنا عمرؓ نے جو فیصلہ فرمایا وہ بالکل درست تھا کہ اب صدق وامانت کا وہ معیار نہیں تھا جو عہد رسالت ﷺ اور عہد صدیقیؓ میں تھا۔

مذکورہ روایات اس بات پر شاہد ہیں کہ طلاق کے معاملہ میں حضرت عمرؓ کا موقف بہت سخت تھا کہ لوگ کہیں اس کو مذاق نہ بنالیں آنے والے حالات وواقعات کی شدت کا اندازہ فاروقی نگاہوں نے قبل از وقت لگالیا تھا۔طلاق دراصل ایک دوا ہے جواز دواجی زندگی کے ایک مستقل روگ کے علاج کے طور پر جائز کی گئی ہے۔یعنی اس صورت میں اجازت دی گئی ہے جب طلاق کے سوا کوئی حل باقی نہ رہ گیا ہو لہٰذا طلاق کو عورت سے انتقام لینے اور ایذا رسانی کے حربے کے طور پر استعمال نہیں کرنا چاہیے۔اسی لئے طلاق دینے والے پر لازم ہے کہ وہ طلاق کے لئے ایسا وقت انتخاب کرے جس سے عورت کی عدت کی مدت کم سے کم رہ جائے۔(۱۲۲)

حضرت عمرؓ بھی یہی چاہتے تھے کہ عورت مرد کے ہاتھوں میں ایک کھلونا نہ بن جائے مذکورہ روایات میں طلاق میں جلدی کرنے والوں اور مسنون طریقے سے ہٹ کر طلاق دینے والوں کو حضرت عمرؓ سخت سزا دیتے۔یہ سزا اسی وجہ سے تھی تا کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو اور لوگ طلاق کے معاملہ میں انتہائی سنجیدہ رویہ اختیار کریں اور سنت طریقے پر طلاق دیں۔

آج اگر ہم طلاق کے معاملہ میں فارقی فیصلہ جو دراصل نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) فیصلہ تھا اس سے انحراف کریں گے تو عورت بیچاری مظلومیت کی تصویر بن جائے گی جمہور علماء اور فقہاء امت کے موقف کو اپنا کر طلاق کے معاملہ میں معاشرہ کی اصلاح ہو سکتی ہے۔یعنی:

۱:-مردوں کو طلاق پر بہت زیادہ جرأت نہیں ہوتی بلکہ وہ طلاق دیتے ہوئے جھجکتے ہیں۔

۲:-آئندہ حرام کاری کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔اس لیے ایک ہی مرتبہ کی تین طلاقوں میں عورت مغلظہ قرار پاتی ہے۔

۳:-وہ ناقبت اندیش مرد جو غصہ میں آکر تین طلاقیں دے بیٹھے ہیں انہیں بعد میں سخت ترین اذیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔اس کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جسے اس طرح کے واقعہ سے دوچار ہونا پڑا ہو۔

۴:-وہ عورتیں جو شوہر سے تنگ اور عاجز ہیں ان کی گلوخلاصی آسان ہو جاتی ہے۔

۵:-اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ امت کے اجماعی مسلک سے انحراف نہ کرنے کی بنا پر غیروں کو دیگر مسائل میں دخل اندازی کا موقع نہیں ملتا۔(۱۲۳)

فصل پنجم:

سیدنا فاروق اعظمؓ نے قحط کی حالت میں چوری کی حد ساقط کی

شریعت اسلامیہ کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔مختلف جرائم کی سزائیں قرآنی نصوص میں بیان کی گئی ہیں۔اسلامی قانون میں سزا کی دو قسمیں ہیں۔

۱:-حدود　　　۲:-تعزیرات

۱:-حدود:

وہ سزائیں جو متعین جرائم کے ارتکاب پر کتاب وسنت نے مقرر کردی ہیں۔ان کو حدود کہا جاتا ہے۔ کتاب وسنت کی طرف سے مقرر کردہ کا معنی یہ ہے کہ یہ سزا معاشرتی مفاد میں مقرر کی گئی ہے اور یہ سزا معاشرے یا افراد کی طرف سے ساقط نہیں ہوسکتی۔جن جرائم کی سزائیں حدود کہلاتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱:-زنا　۲:-قذف　۳:-چوری　۴:-خون ریزی　۵:-ارتداد　۶:-بغاوت

۲:-تعزیرات:

جن سزاؤں کی تعین کے لیے قانون سازی کی جازت دی گئی ہے وہ تعزیرات کہلاتی ہیں۔شریعت میں تعزیرات کی متعدد اقسام ہیں۔جن میں چند اہم یہ ہیں:

۱:-سزائے قتل　۲:-کوڑوں کی سزا　۳:-سزائے قید　۴:-جلاوطنی　۵:-نصحت

۶:-مقاطعہ　۷:-سرزنش　۸:-تحدید　۹:-تشہیر　۱۰:-معزولی　۱۱:-محرومی

۱۲:-ضبطی　۱۳:-ازالہ　۱۴:-شراب نوشی　۱۵:-تاوان وغیرہ

چوری کی سزا:

حدود کی سزاؤں میں چوری (سرقہ) کی سزا ہاتھ کاٹنا (قطع ید) قرآن پاک میں مقرر ہوئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ"(۱۲۴)

اور چور مرد اور چور عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا۔

سیدنا عمرؓ کا قحط کی حالت میں عمل:

حدود کے سلسلہ میں سیدنا عمرؓ بہت سخت رویہ اپناتے تھے۔ اور مجرم کو کیفر کردار تک پہنچاتے تھے شریعت کے معاملہ میں آپ کوئی سمجھوتا نہیں فرماتے تھے۔ مثلاً مردے کا کفن چوری کرنے پر حد لازم ہے۔ عبداللہ بن عامر بن ابی ربیعہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سیدنا عمرؓ کے عہد میں یمن میں قبروں سے چوری کرنے والے پائے تو اس بارے سیدنا عمرؓ کو لکھا۔ جواباً سیدنا عمرؓ نے انہیں لکھا کہ ان کے ہاتھ کاٹے جائیں۔(۱۲۵)

اسی طرح ایک روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص مر گیا۔ اس کے بھائی کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اس کی قبر کشائی کی جائے گی تو اس نے قبر کی نگرانی شروع کر دی۔ چنانچہ کفن چور آیا اور اس نے آ کر کفن نکال لیا۔ میت کے بھائی نے اسے تلوار ماری اور وہ مر گیا۔ یہ معاملہ سیدنا عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو آپ نے اس کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔(۱۲۶)

جرائم کی سزاؤں کے سلسلہ میں سیدنا عمرؓ کسی سے رعایت نہیں برتتے تھے۔ اپنے اقرباء کو دگنی سزا دیتے تھے تاکہ دوسرے لوگوں کو بات کرنے کا موقع نہ ملے۔

یہ عمل سیدنا عمرؓ کا حدود کی سزاؤں کے سلسلہ میں تھا لیکن قحط کی حالت میں آپؓ نے چوری کی حد کو ساقط کر دیا۔ یہ آپؓ کا ایک اجتہادی فیصلہ تھا۔ یہ فیصلہ آپؓ کی بے پناہ اجتہادی بصیرت کا مظہر ہے۔ یہ فیصلہ کرتے

وقت آپ ؓ نے قرآنی اصول کو مدِ نظر رکھا کہ قحط یا بھوک کی حالت میں جس نے چوری کی ہو سکتا ہے کہ اس نے جان بچانے کے لیے یہ عمل کیا ہو اور جان بچانے کے لیے حرام چیز کا استعمال بھی جائز ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ٥ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ط" (127)

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو۔ اگر تم حقیقت میں اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہو تو جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں۔ انہیں بے تکلف کھاؤ۔ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ اللہ کی طرف سے اگر کوئی پابندی تم پر ہے تو وہ یہ کہ مردار نہ کھاؤ۔ خون سے اور سور کے گوشت سے پرہیز کرو اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ ہاں جو شخص مجبوری کی حالت میں ہو اور وہ ان میں سے کوئی چیز کھالے بغیر اس کے کہ وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو۔ یا ضرورت کی حد سے تجاوز کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔

مذکورہ آیات میں پاکیزہ چیزیں کھانے اور حرام چیزوں سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن حالتِ اضطرار میں ایک حکم استثنائی مذکور ہے۔ **فمن اضطر غیر باغ ولا عادٍ فلآ اثم علیه**۔ اس حکم میں اتنی آسانی کر دی گئی ہے۔ کہ جو شخص بھوک سے بہت ہی بے تاب ہو جائے، بشرطیکہ نہ تو کھانے میں طالبِ لذت ہو اور نہ قدر ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو تو اس حالت میں اُن حرام چیزوں کو کھا لینے سے بھی اس شخص کو کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

بعینہٖ چوری بھی ایک حرام عمل ہے لیکن حالتِ اضطرار اور مجبوری میں اگر کسی سے یہ عمل سرزد ہو جاتا ہے۔ تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔

عہد فاروقی سے چند مثالیں۔:

ریاست کی یہ ذمہ داری ہے۔کہ وہ ہر شخص کی بنیادی ضروریات کا خیال رکھے اور اگر وہ یہ ذمہ داری احسن طریقہ سے پوری نہیں کر رہی اور کسی شخص نے حالتِ اضطرار میں جرم کا ارتکاب کرلیا تو پھر وہ سزا کا مستوجب نہیں ہوگا۔سیدنا عمرؓ کے نزدیک ایسی شدید ضرورت ایک قسم کا اکراہ ہے۔

مثال نمبرا:۔

روایت ہے کہ حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے بھوک سے مجبور ہو کر فرینہ کے ایک شخص کی اونٹنی چرا کر اسے ذبح کرلیا مقدمہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپؓ نے کثیر بن صلت کو ان کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا لیکن بعد میں آپؓ نے اس فیصلہ سے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ اگر میں یہ نہ سمجھ لیتا کہ تم انہیں بھوکا رکھتے ہو اور بھوک کی وجہ سے انہوں نے اللہ کے حرام کردہ کام کا ارتکاب کیا ہے تو میں ان کے ہاتھ کٹوا دیتا۔لیکن اب اگر انہیں چھوڑ بھی دوں تو تمہارے اوپر بھاری تاوان عائد کروں گا۔چنانچہ آپؓ نے اس اونٹنی کی قیمت کا دگنا تاوان ادا کیا۔(۱۲۸)

مثال نمبر۲:۔

ایک شخص ایک اونٹنی کے بارے میں جو ذبح کرلی گئی تھی سیدنا عمرؓ کے پاس شکایت لے کر آیا تو آپؓ نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ تمہیں دو موٹی تازی تر و تازہ دودھ دینے والی اونٹنیاں دے دیں۔کیونکہ ہم قحط کے زمانے میں قطع ید کی سزا نہیں دیتے۔(۱۲۹)

مرقومہ بالا واقعات اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ سیدنا عمرؓ ریاست کے فرائض سے بخوبی آگاہ تھے کہ عوام اگر اضطراری حالت میں جرم کرتے ہیں تو ریاست بھی ان سے درگزر روا والا معاملہ کرے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی جب کوئی بندہ مجبوری کی حالت میں حرام کھانے کا مرتکب ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ بخشش والا معاملہ فرماتے ہیں۔

یہ واقعات سیدنا عمرؓ کی اجتہادی بصیرت کی زندہ مثالیں ہیں۔موجودہ حالات کے تناظر میں جب ہم ان

واقعات کو دیکھتے ہیں تو آج بھی بہت سارے لوگ انتہائی مجبوری کی حالت میں جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

ایک اسلامی ریاست کے اربابِ اختیار اور اُس کے اہلِ ثروت حضرات جب اپنی ذمہ داریوں سے بخوبی آگاہ ہوں گے تو عوام خوشحال ہوں گے۔ بلاضرورت اور بغیر بصیرت کے عوام پر سختی کرنا فاروقی طریقہ کے خلاف ہے۔

فصل ششم:

سیدنا خالد بن ولیدؓ کی معزولی

سیدنا خالد بن ولیدؓ بن مغیرہ اسلام کے بہت بڑے شہسوار، معرکہ آزما اور مکہ میں بہت بڑے سردار تھے۔ آپؓ کا تعلق قریش کے قبیلہ بنی مخزوم سے تھا۔ آپؓ ام المومنین سیدہ میمونہ بنت حارثؓ کے بھانجے تھے۔ آپؓ ہجرت سے چالیس برس قبل پیدا ہوئے۔(۱۳۰)

زمانہ جاہلیت میں بھی آپؓ کا شمار معززین قریش میں ہوتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں جنگی مہارت وسیادت کے امتیازات آپؓ کے پاس رہتے تھے۔ آپؓ جنگ میں قائد ہوا کرتے تھے۔ غزوہ اُحد میں آپؓ کفار مکہ کی فوج کے ایک حصے کی کمان کر رہے تھے۔ اسی غزوہ میں کفار کے اکھڑے ہوئے قدم انہی کی عسکری تدبیر کی بنا پر سنبھلے تھے۔ آپؓ فتح خیبر کے بعد سن ۷ ھ میں مسلمان ہوئے۔ اور عمرو بن العاصؓ اور عثمان بن طلحہؓ کے ساتھ مدینہ ہجرت کی۔

اسلامی لشکروں کی قیادت:

جب آپؓ اسلام لائے تو رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کو اسلامی لشکروں کی قیادت عطا کی اور مشرکین سے جنگ کرنے میں آپؓ پیش پیش ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فتح مکہ میں حصہ لیا رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کو عزیٰ کا بت گرانے کے لیے بھیجا۔ آپؓ نے جا کر اس کو مسمار کر دیا۔ غزوہ حنین میں آپؓ زخمی ہوئے تو رسول اللہ ﷺ خود عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اور آپؓ کے زخم پر دم فرمایا اور وہ بند ہو گیا۔(۱۳۱)

آپؓ کا سب سے بڑا مشغلہ:

آپؓ کا سب سے بڑا مشغلہ جہاد تھا۔ اس لیے آپؓ ہمیشہ اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑوں اور زرہوں میں محبوس رہتے۔ آپؓ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جہاد کی وجہ سے میں قرآن کا کثیر حصہ حاصل نہیں کر سکا۔

عہد صدیقی میں مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی کی مہم کو آپؓ نے بڑی بہادری سے سر کیا۔ جنگ یمامہ میں بھی آپؓ نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ فتح عراق وشام میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ سیدنا عمرؓ نے آپؓ کو عین محاذ جنگ میں معزول کر دیا تھا۔ لیکن آپؓ نے ایک مسلمان سپاہی کے لئے مثال قائم کر دی اور نئے سالار حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی قیادت میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے جنگ لڑتے رہے۔ (۱۳۲)

سیدنا خالد بن ولیدؓ کی معزولی کی وجوہات:

سیدنا خالد بن ولیدؓ کی معزولی کی وجوہات مستند کتب میں اس طرح مذکور ہیں:

۱:- حضرت خالد بن ولیدؓ اپنی بہادری کے کارناموں کے ساتھ بعض معاملات میں زیادہ توجہ نہ دے پاتے تھے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکرؓ کے زمانہ میں وہ کبھی فوجی مصارف کا حساب وکتاب نہیں بھیجتے تھے۔ انہوں نے ان سے اس بارے میں باز پرس کی۔ لیکن حضرت خالدؓ اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ سیدنا ابوبکرؓ نے ان کی خدمات کی بنا پر چشم پوشی سے کام لیا۔ (۱۳۳)

۲:- سیدنا عمرؓ کو اسی زمانے سے ان کی یہ روش پسند نہ تھی۔ ان کے عہد میں بھی یہ روش قائم رہی۔ آپؓ نے ان کو تاکید کی کہ وہ آئندہ ان کی اجازت بغیر کسی کو ایک بکری بھی نہ دیں۔ حضرت خالدؓ نے جواب دیا کہ میں ابوبکرؓ کے زمانے سے ہی ایسا کرتا چلا آیا ہوں اب اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ سیدنا عمرؓ نے دوبارہ لکھا کہ تم سپہ سالار اسی شرط پر رہ سکتے ہو کہ فوجی مصارف کا حساب باضابطہ بھیجتے رہو۔ لیکن اس پر بھی حضرت خالدؓ اپنی روش پر قائم رہے۔ (۱۳۴)

مذکورہ بات پر بھی سیدنا عمرؓ نے ان کو معزول نہیں کیا بلکہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے ماتحت کر دیا۔

۳:- ۱۷ھ میں انہوں نے ایک شاعر اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم بطور انعام دیے۔ سیدنا عمرؓ نے ان سے باز پرس کی اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو لکھا کہ اگر خالدؓ نے رقم اپنی جیب سے دی ہے تو اسراف کیا اور اگر مالِ غنیمت میں سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں حالتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔

بطور قاصد سیدنا بلالؓ فاروقی حکم نامہ لے کر آئے۔ سیدنا ابوعبیدہؓ نے معاملہ سیدنا بلالؓ پر چھوڑ دیا کہ وہ

جس طرح چاہیں خلیفہ کے حکم کی تعمیل کریں۔ انہوں نے حضرت خالدؓ سے سے پوچھا کہ انہوں نے رقم کہاں سے دی ہے؟ اس وقت بھی حضرت خالدؓ نے کوئی جواب نہ دیا اس لیے قاصد نے بھرے مجمع میں نشان معزولی کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور ان کی سرتابی کی سزا میں انہی کے عمامہ سے ان کی گردن باندھ دی۔ حضرت خالدؓ نے صرف اس قدر کہا کہ میں نے اس حکم کو سنا اور مانا اور اب بھی میں اپنے افسروں کے احکام ماننے اور خدمات بجالانے کے لیے تیار ہوں۔(۱۳۵)

یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ایک ایسا بڑا سپہ سالار جس کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا اس کی اس انداز سے سرزنش کی جا رہی ہے اور مطلق دم نہیں مارتا۔ اس واقعہ سے حضرت خالدؓ کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے۔(۱۳۶)

حضرت خالدؓ نے حمص پہنچ کر اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی۔ تقریر میں یہ بھی کہا کہ امیر المومنین عمرؓ نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا اور جب ایک سپاہی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اے سردار چپ رہ! ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ حضرت خالدؓ نے کہا ہاں! لیکن عمرؓ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے۔(۱۳۷)

سیدنا فاروق اعظم کی بے مثال اجتہادی فراست:

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت خالدؓ نے باوجود اس دلیری کے جو وہ رکھتے تھے اس ماجرا پر چوں و چرا کے ساتھ دم مارنے کی مجال نہ دیکھی اور دوسرے لشکر والے اُمراء بھی اس معاملہ کے دیکھنے سے بد دل نہیں ہوئے اور یہ حضرت فاروقؓ کے دبدبہ کی خصوصیتوں میں سے ہے۔(۱۳۸)

معزولی کے بعد حضرت خالدؓ نے مدینہ واپس آ کر سیدنا عمرؓ سے شکوہ کیا اور بیس ہزار کی رقم جو ان کے پاس زائد تھی بیت المال میں داخل کر دی اور حضرت عمرؓ نے فرمایا:

> خالدؓ! واللہ تم مجھے ویسے ہی محبوب ہو اور میں تمہاری عزت کرتا ہوں اور عمال کو لکھ بھیجا کہ میں نے خالدؓ کو ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ ان کے کارناموں سے لوگ فتنے میں مبتلا ہو رہے تھے اس لیے میں نے ان کو معزول کر دیا تا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے

کہ جو کچھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔(۱۳۹)

مذکورہ بیان اور سیدنا خالد بن ولیدؓ کی معزولی کے واقعہ سے سیدنا عمرؓ فاروق کی بے مثال اجتہادی فراست اور حکومت پر ان کی مضبوط گرفت کا ثبوت ملتا ہے۔اس واقعہ سے ہمیں دو باتوں کا پتہ چلتا ہے:

ا:- اسلامی نظامِ حکومت میں اگر کسی سرکاری اہل کار کو تبدیل کیا جائے تو اس اہل کار کو سرکاری فرمان قبول کرنا پڑے گا۔

۲:- فتوحات صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے حاصل ہوتی ہیں۔اس میں کسی شخصیت کا عمل دخل نہیں۔

سیدنا عمرؓ فاروق کی اجتہادی بصیرت نے قبل از وقت بھانپ لیا تھا کہ اگر حضرت خالد بن ولیدؓ کی سپہ سالاری میں اسی طرح اگر فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا رہا تو لوگ کہیں فتوحات کو سیدنا خالد بن ولیدؓ سے مشروط نہ کر دیں۔یہ فاروقیؓ بصیرت کا واضح ثبوت ہے۔آپؓ لوگوں کے عقیدہ میں ذرا برابر بھی لغزش برداشت نہیں کر سکتے تھے۔کیونکہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذاتِ اقدس پر مکمل یقین کر کے ہی ایک انسان کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

فصل ہفتم:

متفرق معاملات میں سیدنا عمرؓ کی اجتہادی آراء

چند متفرق معاملات میں سیدنا عمرؓ کی اجتہادی رائے کا مختصراً جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) مولفتہ القلوب کے بارے میں آپؓ کی رائے:

حضرت عمرؓ کے اجتہادات کی شان یہ ہے کہ وہ قیاس کرتے وقت سابقہ احکام کے ظاہر کو نہ دیکھتے تھے بلکہ ان کی علت غایت اور چھپی ہوئی حکمت تک پہنچتے تھے۔ کچھ یہی معاملہ مؤلفتہ القلوب کے بارے میں تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کی تالیف قلب کے لئے انہیں بیت المال سے حصہ دیا جاتا تھا کیونکہ اسلام کی اشاعت ابھی عام نہ ہوئی تھی۔ سیدنا عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں بیت المال سے مؤلفتہ القلوب کا مخصوص حصہ بند کر دیا۔

سیدنا عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ مؤلفتہ القلوب کا حصہ اس وقت نکالا جاتا تھا جب مسلمان کمزور تھے اور مؤلفتہ القلوب کو دیا جاتا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ ان کے شر سے بچا جائے اور ان کے قلوب کو مانوس کیا جائے۔ لیکن اب جب کہ مسلمان کثیر تعداد میں ہیں اور انہیں قوت و عزت حاصل ہے تو اب کسی شخص کو تالیف قلب کی غرض سے مال زکوۃ میں سے دینا جائز نہیں ہے خواہ وہ کافر ہو اور اسے اس لئے دیا جائے کہ اس کے شر سے مسلمانوں کو تحفظ حاصل ہو اور خواہ وہ مسلمان ہو اور اسے اس کا دل موہنے کے لئے دیا جائے۔ (۱۴۰)

ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے کہ ایک مشرک سیدنا عمرؓ سے کچھ مال لینے آیا لیکن حضرت عمرؓ نے نہیں دیا اور فرمایا کہ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔ (۱۴۱)

آپؓ کے پیش نظر یہ تھا کہ جب اسلام پھیل گیا اور ایک قوت بن گیا تو تالیف قلب کے اس طریقے کو جاری کرنے کا مطلب اس کے سوا کیا ہوسکتا تھا کہ قبولِ اسلام کو ایسے طریقوں اور ترغیبوں سے وابستہ کر دیا جائے جن میں مال کی محبت کا شائبہ نکلتا ہو۔ اصول اس سلسلے میں یہ تھا کہ حالات کے بدلنے سے بعض احکام کی صورتیں بدل سکتی ہیں جس طرح قحط کی حالت میں چوری کی حد ساقط کی گئی تھی۔

(۲) عراق اور مصر کی اراضی کی تقسیم کے بارے رائے:

سیدنا عمرؓ کا ایک اجتہاد یہ تھا کہ عراق اور مصر کی اراضی کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کی ممانعت فرمادی کیونکہ عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ مفتوحہ علاقوں کی زمین مجاہدین میں تقسیم کی جاتی تھی۔ جب مصر اور عراق فتح ہوئے تو مجاہدین کا موقف تھا کہ اراضی کو مجاہدین میں تقسیم کیا جائے۔ مجاہدین کا موقف نصوص کے ظاہری مفہوم کے مطابق تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کی نظر میں فتوحات کے نتیجے میں حاصل شدہ املاک کسی ایک شخص یا ایک گروہ مجاہدین کے لئے مخصوص کرنے کے بجائے ان کا ملت کے اجتماعی مقاصد کے لئے وقف ہونا مناسب تھا۔ چنانچہ انہوں نے اسے فیئے (نہ کہ مال غنیمت) قرار دے کر ان اراضی کا مالک بیت المال کو قرار دے دیا اور ان سے پوری ملت نے فائدہ اٹھایا۔ (۱۴۲)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ کے نزدیک اجتماعی مقاصد انفرادی یا گروہی مقاصد پر ہر طرح سے افضلیت رکھتے تھے۔ فتح عراق کے بعد اراضی کی تقسیم کے سلسلہ میں بہت سے صحابہ کرامؓ کے برعکس ان کا الگ موقف اسی اصول کی تائید کرتا ہے۔

(۳) ربا کے معاملہ میں آپؓ کی احتیاط:

ربا (سود) کے بارے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت احتیاط فرماتے۔ آپؓ نے ایک دفعہ ربا کی آیات تلاوت کیں تو آپؓ کا دل خوف سے کانپ اٹھا۔ ربا کی تحریم کے بارے آیات بہت بعد میں نازل ہوئیں تھیں اور ایسے واقعات جن سے ان آیات کی وضاحت میں مدد ملتی اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہت کم وقوع پذیر ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی کوئی تشریح بھی نہیں سنی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ ربا کے معاملے میں بہت محتاط ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپؓ فرمایا کرتے تھے قرآن میں آخری آیت، آیت ربا نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی اس لئے ربا سے بھی بچو اور ریبہ (شک) سے بھی بچو۔ (۱۴۳)

ریبہ سے حضرت عمرؓ کی مراد ہر وہ امر ہے جس کے بارے میں یہ گمان ہو کہ سکتا ہے کہ یہ ربا ہو۔ یہی وجہ

ہے کہ حضرت عمرؓ ربا کے معاملہ میں بہت احتیاط کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے حلال کے دس حصوں میں نو حصے ربا کے خوف سے ترک کردیئے۔(۱۴۴)

ایک دن آپؓ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ قسم بخدا ہمیں نہیں معلوم کہ ہم تمہیں کوئی حکم دیں اور وہ تمہارے لئے بہتر نہ ہو۔ اور ہوسکتا ہے کہ بعض امور سے تم کو روک دیں لیکن وہ تمہارے لئے بہتر ہوں۔ آیات ربا باعتبار نزول قرآن پاک کی آخری آیات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ان کی تفصیل بیان کرنے سے قبل ہی وفات پا گئے۔ اب یہی طریقہ ہے کہ آپ لوگ ان امور کو ترک کردیں۔ جن میں ربا کا شائبہ بھی ہو اور ان امور کو اختیار کریں جن میں ربا کا شائبہ تک نہ ہو۔(۱۴۵)

(۴) نماز جنازہ کی تکبیریں:

رسول اللہ ﷺ سے جنازہ کی متعدد صورتیں منقول تھیں۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ ان سب میں یک جہتی پیدا فرمادیں کیونکہ حضرت عمرؓ اختلاف ناپسند کرتے تھے۔ آپؓ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور ان سے نماز جنازہ کی تکبیر کے بارے میں مشورہ کیا۔ کسی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے پانچ تکبیریں کہیں۔ کسی نے کہا کہ چھ اور کسی نے بتایا کہ چار کہیں۔ حضرت عمرؓ نے چار تکبیروں پر سب کو متفق کرلیا تاکہ طویل نماز سے مشابہت ہو جائے اور طویل نماز چار رکعت والی نماز ہے غرض حضرت عمرؓ جب نماز جنازہ پڑھاتے تو چار تکبیرات کہتے۔(۱۴۶)

حضرت عمرؓ نے حضرت زینب بنت جحش کی نماز جنازہ پڑھائی تو چار تکبیرات کہیں(۱۴۷) اس کے بعد سے آج تک تمام مسالک میں نماز جنازہ چار تکبیرات سے ہی پڑھائی جاتی ہے۔

(۵) امیر المومنین کا لقب اختیار فرمایا:

رسول اللہ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد جب سیدنا ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنائے گئے تو انہیں خلیفہ رسول اللہ ﷺ کہا جاتا تھا۔ سیدنا ابوبکرؓ کی وفات کے بعد سیدنا عمر فاروقؓ خلیفہ بنائے گئے تو انہیں خلیفہ خلیفہ رسول اللہ ﷺ کہا گیا مسلمانوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ کے بعد جو شخص آئے گا تو اس کا نام بہت طویل ہو جائے گا۔ اس وقت موجود صحابہؓ نے کہا کہ ہم مومن ہیں اور عمرؓ ہمارے امیر ہیں۔ لہٰذا حضرت عمرؓ امیر المومنین

پکارے گئے وہ پہلے شخص ہیں جن کا نام رکھا گیا۔(۱۴۸)

بعض روایات میں امیر المومنین کے لقب کے بارے اور بھی واقعات مذکور ہیں۔

(۶) عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کرنا:

حضرت عمرؓ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر کے دنیا کے سامنے ایک ایسی مثال کی جس کی حکمت کا آج برملا ہر جگہ اعتراف کیا جاتا ہے۔عدلیہ اور امراء کے بارے فصول گزر چکی ہیں۔

(۷) سیدنا عمرؓ کی آراء پر مبنی فقہی مسلک:

حضرت عمرؓ کی آراء پر مبنی فقہی مسلک قائم ہوا جو حضرت عبداللہ بن مسعود کے زیر اثر عراق میں اہل القیاس کے نام سے رائج ہوا لیکن اس سے یہ رائے قائم نہیں کرنی چاہئے کہ وہ قرآن وسنت سے کسی طور انحراف کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ انہیں قرآن وسنت کا صحیح فہم وادراک حاصل تھا۔اور انہیں ان کے اسرار وغوامض کے بارے میں اتنی خداداد بصیرت حاصل تھی جس تک دوسرے ذرا دیر سے پہنچ پاتے تھے۔

(۸) شہادت کے وقت خلافت کے معاملہ میں آپؓ کی وصیت:

حضرت عمر فاروقؓ دس برس چھ ماہ اور چار دن خلیفہ رہے۔ذی الحجہ ۲۳ھ کے آخری دنوں میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے مجوسی غلام فیروز، جس کی کنیت ابولولوتھی نے خنجر کے چھ وار کر کے آپؓ کو زخمی کر دیا۔آپؓ زخمی ہو کر گر پڑے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے آگے بڑھ کر نماز مکمل کروائی۔تین دن آپؓ زخمی رہے۔اس عظیم سانحہ کے بعد امت کو دو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا:

۱:- حضرت عمرؓ کی سلامتی

۲:- آپؓ کی شہادت کی صورت میں خلافت کا معاملہ

اس سانحہ کے بعد مدینہ منورہ میں ہر کوئی پریشان نظر آتا تھا اور متعدد طبیبوں کو بلایا گیا لیکن افاقہ نہ ہو سکا اور آپؓ کی حالت بگڑتی گئی جس سے اب مسلمانوں آپؓ کی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے اور آپؓ سے

درخواست کی اپنا کوئی جانشین مقرر فرمادیں۔اس مرحلہ پر بھی سیدنا عمرؓ نے امت مسلمہ کی بھرپور معاونت فرمائی اور امت کے اتحاد کو پارہ پارہ ہونے سے بچالیا۔

خلافت کے معاملے میں ایک جامع فاروقی منصوبہ:

شہادت کا وقت قریب آیا تو لوگوں نے کہا کہ اپنا خلیفہ بنا دیجئے۔فرمایا کہ میں ان چھ آدمیوں سے زیادہ کسی کو اس کا اہل نہیں سمجھتا جن سے رسول اللہ ﷺ اپنی وفات تک راضی رہے۔ان کے نام یہ ہیں:

۱:۔حضرت عثمانؓ ۲:۔حضرت علیؓ ۳:۔حضرت طلحہؓ

۴:۔حضرت زبیرؓ ۵:۔حضرت عبدالرحمٰنؓ ۶:۔حضرت سعدؓ

اگر سعدؓ کو خلافت ملے تو خیر ورنہ ان لوگوں میں سے جو خلیفہ بنایا جائے تو سعدؓ سے مدد لی جائے کیونکہ میں نے انہیں عراق کی گورنری سے کسی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے۔آپؓ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کو ان کے ساتھ کر دیا کہ وہ لوگ ان سے مشورہ کریں مگر ان کے لئے خلافت میں کوئی حصہ نہ تھا۔(۱۴۹)

نامزد ہونے والے خلیفہ کو وصیت:

خلافت کمیٹی کے ممبران کو فرداً فرداً وصیتیں فرمائیں نامزد ہونے والے خلیفہ کو مجموعی طور پر وصیت فرمائی جو ان کی سیاسی بصیرت کا مظہر ہے۔آپؓ نے فرمایا کہ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ سے ڈرتا رہے مہاجرین اولین کے حقوق کی حفاظت کرے اور ان کا احترام ملحوظ رکھے مفتوحہ ممالک میں بسنے والوں سے اچھا سلوک کرے کہ انہوں نے اسلام کی مدد کی ہے۔دشمنوں پر غالب آئے ہیں اور مال جمع کیا ہے۔صرف وہی کچھ ان سے لیا جائے جو ان کی ضرورت سے زائد ہو اور وہ خوشی سے دے دیں۔انصار کا خاص خیال رکھے کہ انہوں نے بے گھروں کو گھر دیئے اور ایمان کی حفاظت کی۔ان کا احسان مانا جائے اور ان کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کی جائے۔عربوں سے خوش سلوکی کے ساتھ پیش آئے کہ یہی لوگ اصل عرب اور مادہ اسلام ہیں۔ان کے مال داروں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کے محتاجوں میں تقسیم کر دے۔ذمیوں کے حقوق کا ہر طرح پاس کرے کہ وہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری میں ہیں ان سے جو وعدہ کیا گیا ہے اسے پورا کرے۔ان کی طاقت سے زیادہ ان

پر بوجھ نہ ڈالے اور ان کے دشمنوں سے جنگ کرے''(۱۵۰)

مذکورہ وصایا کو دیکھا جائے تو ان میں پانچ باتیں اہم نظر آتی ہیں:

ا:-اللہ تعالیٰ کا خوف۔

۲:-جو احسان کرے اس کا احسان مند ہونا چاہئے۔

۳:-مفتوحہ ممالک کے باسیوں سے اچھا سلوک۔

۴:-زکوٰۃ کا نظام بہتر بنایا جائے۔

۵:-ذمیوں کے حقوق کا خیال یعنی اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔

مرقومہ بالا پانچ راہنما اصولوں کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ پانچ اصول ایک حکومت کی کامیابی کے لئے کافی ہیں۔عصر حاضر کے انسانی حقوق کے علمبرداروں کے لئے پانچواں اصول خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل رسالت مآب ﷺ کے تربیت یافتہ خلیفہ نے اقلیتوں کے حقوق کا کس طرح تحفظ فرمایا اور آخری وقت جب جام شہادت نوش فرمارہے تھے اس وقت بھی آنے والے خلیفہ کو ان کے حقوق کے تحفظ کے بارے میں خبردار فرمارہے تھے۔

یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہوگئے اور خاتم الانبیا ﷺ کے روضہ اقدس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آرام فرما ہوئے۔بقول صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی (مرحوم) کہ دنیا تو شہر نبی ﷺ کی ہوا کو ترستی ہے۔مگر حضرت عمرؓ کو تا قیامت حضور ﷺ کے دامن کی ہوا ملتی رہے گی۔جنیدؒ و بایزیدؒ جس طرح اپنی سانس روک کر اور دل دھڑکن تھام کر حاضر ہوتے ہیں۔وہاں حضرت عمرؓ کو ابدی نیند سونے کی سعادت میسر آگئی ہے۔حضرت عمرؓ کو اس درود سلام سے برابر کا حصہ مل رہا ہے جو فرشتے اور اہل اسلام حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پیش کرتے ہیں۔حضور ﷺ کی ذات اقدس کا تو ایک پل کا سایہ زندگی کی کڑی دھوپ کے سفر کے لئے کافی ہے۔حضرت عمرؓ کو تو قیامت تک اس سائے میں رہنے کا شرف حاصل ہے۔ظاہر ہے حضور ﷺ نے انہیں اللہ تعالیٰ سے مانگ کر لیا تھا تو حاصل دعا کو اپنے سے دور کیسے رکھتے اور گوارا فرمالیتے۔(۱۵۱)

باب چہارم — فصل اوّل

۱-عبدالرزاق، المصنف، ۱/۳۰۱

۲-الوکیع، اخبار القضاۃ، عالم الکتب، بیروت، ت-ن، ۱/۷۰

۳-ابن حزم، المحلی، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۲۷ھ، ۹/۳۸۱

۴-المغنی، ۹/۳۷

۵-اخبار القضاۃ، ۱/۱۰۴

۶-شبلی، الفاروقؓ، ۱۹۵-۱۹۶

۷-محمد رواس، فقہ حضرت عمرؓ، ادارہ معارف اسلامی لاہور، ۲۰۰۱ء، ۶۸۸

۸-المغنی، ۹/۳۷

۹-عبدالرزاق، المصنف، ۸/۲۹۹

۱۰-اخبار القضاۃ ۱/۲۷۴

۱۱-عبدالرزاق، المصنف، ۸/۲۹۹

۱۲-المغنی، ۹/۱۰۳

۱۳-اخبار القضاۃ، ۱/۷۶

۱۴-البیہقی، السنن، ۱۰/۱۵۰

۱۵-ایضاً، ۱۰/۱۵۳

۱۶-المحلی، ۸/۴۲۰

۱۷-البیہقی، السنن، ۱۰/۱۳۵

۱۸-اخبار القضاۃ، ۱/۱۰۸

۱۹-ایضاً، ۱/۷۵

۲۰-عبدالرزاق،۱۱/ ۳۲۹

۲۱-ایضاً،۸/ ۳۰۰

۲۲-اخبارالقضاۃ،۲/ ۱۸۸

۲۳-المغنی،۹/ ۷۹

۲۴-البیہقی ،السنن،۱۰/ ۱۳۵

۲۵-البیہقی ،السنن،۱۰/ ۱۳۵

۲۶-ایضاً،۱۰/ ۱۵۰

۲۷-اخبارالقضاۃ،۱/ ۵۷

۲۸-المغنی،۹/ ۵۶

۲۹-المحلی ،۱۱/ ۱۳۲

۳۰-البیہقی ،السنن،۱۰/ ۱۱۵

۳۱-ایضاً،۱۰/ ۱۰۹

۳۲-ابن ابی شیبہ،المصنف ،۱/ ۲۳۱

A-۳۲-عبدالرزاق،المصنف ،۷/ ۱۰۰

۳۳-عبدالرزاق،المصنف ،۱/ ۱۹۳

۳۴-البیہقی ،السنن،۱۰/ ۱۵۰

۳۵-البیہقی ،السنن،۱۰/ ۱۲۵

۳۶-ایضاً،۱۰/ ۱۷۹

۳۷-عبدالرزاق،۸/ ۴۷۱

۳۸-ایضاً،۷/ ۳۶۰

۳۹-ایضاً،۸/ ۳۴۲

۴۰-المحلی،۹/۳۶۹

۴۱-البخاری،الاحکام،باب من حکم فی المسجد،۲/۱۰۶۲

فصل دوم

۴۲-شبلی،الفاروق،۱۶۹

۴۳-ایضاً،۱۷۰

۴۴-امام ابو یوسف،کتاب الخراج،۶۶

۴۵-ایضاً،۶۶

۴۶-بلاذری،فتوح البلدان،۲۱۹

۴۷-طبری،۵/۲۶۸۰

۴۸-الفاروق،۱۷۲

۴۹-ایضاً،۱۷۴

۵۰-شاہ ولی اللہ،ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء،قدیمی کتب خانہ،کراچی،۳/۳۴۹

۵۱-الفاروق،۱۷۴

۵۲-کتاب الخراج،۱۴۱

۵۳-المحلی،۹/۲۷۱

۵۴-کتاب الخراج،۱۴۱

۵۵-کتاب الاموال،۱۲۶

۵۶-اخبار القضاۃ،۱/۴۸۶

۵۷-ایضاً،۱/۴۸۵

۵۸-کتاب الاموال،۴۳

۵۹-المغنی، ۸/ ۵۳۷
۶۰-عبدالرزاق، المصنف، ۶/ ۱۰۳
۶۱-المحلی، ۹/ ۳۷۰
۶۲-امام مالک، الموطا، ۲/ ۹۸۰
۶۳-ابن جوزی، سیرت عمر ابن الخطابؓ، ۱۰۴
۶۴-ابویوسف، کتاب الخراج، ۱۴۱
۶۵-ایضاً، ۱۴۱
۶۶-عبدالرزاق، المصنف، ۱۱/ ۳۲۶
۶۷-کتاب الخراج، ۱۴۱
۶۸-سنن البیہقی، ۱۰/ ۱۰۸
۶۹-عبدالرزاق، ۱۱/ ۴۴۰
۷۰-سنن البیہقی، ۱۰/ ۱۳۵
۷۱-عبدالرزاق، ۸/ ۳۰۰
۷۲-المغنی، ۸/ ۴۴۷
۷۳-عبدالرزاق، ۱۱/ ۳۳۳

فصل سوم

۷۴-مرغینانی، الہدایہ، باب النوافل، المطبع المجتبائی، دہلی، ۱۹۱۶ء
۷۵-ابن ابی شیبہ، المصنف، ۲/ ۹۰
۷۶-بخاری، باب من قام فی رمضان، ۳/ ۱۰۸
۷۷-البانی، ناصر الدین، رسالہ نماز تراویح، ۲۶

۷۸-ایضاً

۷۹-عبدالرزاق،۴/۲۶۴

۸۰-المجموع،۳/ ۵۲۸

۸۱-مصنف،ابن ابی شیبہ،ا/ ۱۰۸

۸۲-ازالۃ الخفاء،۳/ ۳۴۹

۸۳-عبدالرزاق،۴/۲۶۳

۸۴-ابن ابی شیبہ،المصنف ،ا/ ۱۰۷

۸۵-سنن البیہقی ،ا/ ۴۹۶

۸۶-عبدالرزاق،۴/۲۶۰

۸۷-سنن البیہقی ،۲/ ۴۹۶

۸۸-محمد رواس،فقہ حضرت عمرؓ،۵۵۴

فصل چہارم

۸۹-سرخسی ،المبسوط ،مطبع السعادہ،مصر،۱۳۲۴ھ،۶/۲

۹۰-ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین اسلام، ادارہ تحقیقات اسلامی راولپنڈی، ۱۹۶۷ء،۲/ ۳۵۷

۹۱-ابن الھمام،شرح فتح القدیر، مطبع الکبریٰ الامیریہ،مصر،۱۳۱۵ھ،۳/ ۲۱

۹۲-ابن رشد،بدایۃ المجتہد،۲/ ۶۵

۹۳-ابن الھمام،فتح القدیر،۳/۹۳

۹۴-المغنی ،۷/۷۴ ۲

۹۵-بدایۃ المجتہد،۲/ ۶۶

۹۶-فتح القدیر،۳/۹۳

۹۷-بدایۃ المجتہد، ۲/۶۶

۹۸-فتح القدیر، ۳/۲۳

۹۹-ابن ابی شیبہ، المصنف، مطبعۃ العلوم الشرقیہ، دکن، ۱۳۹۰ھ، ۵/۳

۱۰۰-الزیلعی، نصب الرایہ، مجلس علمی، ۱۳۵۷ھ، ۳/۲۲۰

۱۰۱-النسائی، السنن، ۵۳۷

۱۰۲-الآلوسی، روح المعانی، ۲/۱۳۶

۱۰۳-بدایۃ المجتہد، ۲/۷۰

۱۰۴-البقرہ ۲: ۲۲۹

۱۰۵-البقرہ ۲: ۲۳۰

۱۰۶-ابوداؤد، السنن، باب الطلاق، اصح المطابع، کراچی، ۱۳۶۶ھ، ۱/۲۹۶

۱۰۷-الکاسانی، بدایہ الصنائع، مطبعۃ الجمالیہ، مصر، ۱۳۲۷ھ، ۳/۹۶

۱۰۸-الحلی، شرائع اسلام، دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، ۱۹۳۰ء، ۲/۵۸

۱۰۹-الشوکانی، نیل الاوطار، ۶/۲۳۱

۱۱۰-الجصاص، احکام القرآن، المطبعۃ البہیۃ، مصر، ۱۳۴۷ھ، ۱/۴۵۹

۱۱۱-مسلم، الصحیح، باب الطلاق، ۱/۴۷۸

۱۱۲-الترمذی، باب الطلاق

۱۱۳-عبدالرزاق، المصنف، ۶/۳۹۳

۱۱۴-دارقطنی، السنن، (نشر السنۃ، ملتان، ۱۴۲۰ھ) ۲/۴۲۸

۱۱۵-ابوداؤد، السنن، باب الطلاق ۲۹۹

۱۱۶-ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵/۱۲

۱۱۷-ایضاً، ۱/۲۳۴

۱۱۸-سنن البیہقی، ۷/ ۳۵۵

۱۱۹-عبدالرزاق، المصنف، ۶/ ۳۳۲

۱۲۰-ایضاً، ۶/ ۴۲۱

۱۲۱-امام مالک، الموطا، ۲۰۰

۱۲۲-محمد رواس قلعہ جی، فقہ عمرؓ، ۵۸۵

۱۲۳-سید محمد سلیمان منصور پوری، رسالہ تین طلاق کا مسئلہ، دلائل شریعہ کی روشنی میں، جمعیت علمائے ہند، نئی دہلی، ص ۲۰

فصل پنجم

۱۲۴-المائدہ ۵: ۳۸

۱۲۵-عبدالرزاق، المصنف، ۱۰/ ۲۱۵

۱۲۶-ایضاً، ۱۰/ ۲۱۴

۱۲۷-البقرہ ۲: ۱۷۲، ۱۷۳

۱۲۸-الموطا، ۲/ ۴۸۷

۱۲۹-عبدالرزاق، ۱۰/ ۲۴۲

فصل ششم

۱۳۰-ذھبی، سیر علام النبلاء، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱/ ۲۶۴

۱۳۱-ابن عبدالبر، الاستیعاب، ۱/ ۴۰۷

۱۳۲-ابن سعد، طبقات، ۲/ ۱۲۱

۱۳۳-ابن حجر، اصابہ، ۲/ ۹۹-۱۰۰

۱۳۴-ایضاً، ۲/ ۱۰۰

۱۳۵-طبری، ۵/ ۲۸-۲۵

۱۳۶-الفاروق، ۱۲۲

۱۳۷-کتاب الخراج، ۱۸۷

۱۳۸-ازالۃ اخفاء، ۳/ ۲۳۵

۱۳۹-طبری، ۵/ ۲۸-۲۵

فصل ہفتم

۱۴۰-تفسیر القرطبی، ۸/ ۱۸۱

۱۴۱-ابن قدامہ، المغنی، ۶/ ۴۲۷

۱۴۲-طبقات ابن سعد، ۱/ ۷۰

۱۴۳-المحلی، ۸/ ۴۷۷

۱۴۴-عبد الرزاق، ۸/ ۱۵۲

۱۴۵-المحلی، ۸/ ۱۷۷

۱۴۶-المغنی، ۲/ ۵۱۶

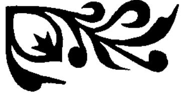
۱۴۷-عبد الرزاق، ۳/ ۴۸۰

۱۴۸-طبقات ابن سعد، ۲/ ۶۹-۷۰

۱۴۹-طبقات ابن سعد، ۲/ ۱۲۱-۱۲۲

۱۵۰-ایضاً، ۲/ ۱۲۲-۱۲۳

۱۵۱-روزنامہ "پاکستان"، لاہور، خاص نمبر، یکم محرم الحرام، ۱۴۲۳ھ




خلاصہ




خلاصہ

خاتم الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی اور دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان نابغہ روزگار ہستیوں میں ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ صدیوں افلاک گردش میں رہتے ہیں۔تب خاک کے پردے سے ان کا ظہور ہوتا ہے۔معزز خاندان اور شاندار خاندانی پس منظر رکھنے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے قبول اسلام سے اسلام کو تقویت حاصل ہوئی۔آپ ؓ کی بے پناہ صلاحیتوں کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے آپ ؓ کے لئے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ عمر بن الخطاب یا عمرو بن ہشام میں جو تجھے زیادہ پسند ہو اس سے اسلام کو قوت عطا فرما۔

سیدنا عمر ؓ کی فقہی واجتہادی بصیرت کے پس منظر کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ عنصر انہیں کافی حد تک ورثے میں ملا تھا کیونکہ قریش کی اس قبائلی سلطنت میں امور خارجہ اور انصاف کا شعبہ آپ ؓ کے خاندان کے سپرد تھا۔آپ ؓ اسلام قبول کرنے سے قبل بھی خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی جیسے اوصاف رکھتے تھے۔خاندانی پس منظر اور زندگی کے تجربات نے معاملہ فہم بنا دیا تھا۔اس کے ساتھ آپ ؓ پرکشش شخصیت کے مالک تھے۔یعنی آپ ؓ کی بصیرت، سیرت اور صورت دیدنی تھی، سیدنا عمر ؓ کی شخصیت کی اس تثلیث نے آگے چل کر اقوام عالم میں اپنے آپ کو منوایا۔

آپ ؓ کا شمار پڑھے لکھے نوجوانوں میں ہوتا تھا۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، آپ ؓ کے قبول اسلام کے بارے فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر ؓ کا قبولِ اسلام ہماری کامیابی تھی، ان کی ہجرت ہماری نصرت اور ان کی خلافت ہمارے لئے باعث رحمت تھی جب تک عمر ؓ اسلام نہیں لائے تھے، ہم کعبہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔جب وہ اسلام لائے تو قریش سے لڑ بھڑ کر ہمارا حق تسلیم کرالیا کہ ہم بھی کعبہ میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی محبت سے خوب فائدہ اُٹھایا اور مختلف مواقع پر آپ ؓ نے آراء و مشورے دیے بقول شاہ ولی اللہ حضرت عمر ؓ وہ شخصیت ہیں کہ سولہ مقامات ایسے ہیں جن میں قرآن مجید نے آپ ؓ کے اجتہاد سے اتفاق کیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ ؓ کی

زبان اور دل کو حق کا مرکز بنا دیا تھا۔ پردے کے بارے حکم، شراب کی ممانعت اور مقام ابراھیم (علیہ السلام) کو نماز کی جگہ بنانا وغیرہ ایسے احکامات ہیں جن میں وحی الٰہی نے آپ ؓ کی تائید کی۔

موجودہ دور میں عریانی و فحاشی کا سیلاب اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ پردے کے بارے حکم کو نافذ کیا جائے۔ بدنظری ہی سے سارے فساد شروع ہوتے ہیں جو اپنی نظروں کی حفاظت نہیں کرتا اسے ایمان کی حلاوت نصیب نہیں ہوتی سیدنا عمر ؓ عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط ناپسند فرماتے حتیٰ کہ عبادات کے مقامات پر بھی عورت اور مرد کے اختلاط کو ناپسند کرتے تھے۔ آپ ؓ کا قول ہے کہ عورتوں پر لباس کی کمی سے قابو حاصل کرو، کیونکہ اگر عورتوں کے پاس کپڑا اور سامان زینت زیادہ ہوگا تو وہ باہر نکلنا پسند کریں گی۔

آپ ؓ نے تمام غزوات میں شرکت کی اور ان غزوات میں اپنی شجاعت و بہادری اور بصیرت کے خوب جوہر دکھائے۔ اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کے رشتہ کا اثر آپ ؓ پر کبھی غالب نہیں آیا اس بات کا ثبوت ہمیں غزوہ بدر میں ملتا ہے کہ اس معرکہ میں آپ ؓ نے اپنے حقیقی ماموں عاص بن ہشام کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ اس غزوہ کے شہید اوّل حضرت مجعؓ آپ ؓ ہی کے غلام تھے۔ اسیرانِ بدر کے معاملہ میں آپ ؓ نے جو رائے پیش کی وحی الٰہی نے اُس کی تائید کی۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر آپؓ نے بھرپور مالی معاونت کی۔ الغرض آپؓ نے تمام غزوات میں دامے، درمے، قدمے اور سخنے ہر لحاظ سے شرکت کی۔

عہد صدیقی ؓ میں آپ ؓ نے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی خلافت کے معاملہ میں بروقت کارروائی کر کے مہاجرین اور انصار کے اختلاف کو ختم کیا۔ اس طرح آپ ؓ نے دوراندیشی اور قائدانہ صلاحیت کا ثبوت دیا۔ آپ ؓ کی ایک اور دوراندیشی جمع و تدوین قرآن کے متعلق ہے۔ آپ ؓ نے اس کام کے لئے سیدنا ابوبکر ؓ کو مشورہ بھی دیا اور دلیل سے مطمئن بھی کیا۔ اس طرح آپ ؓ کو تدوین قرآن کے نظریہ کے موجد کہہ سکتے ہیں۔ پوری امت اس کام کے لئے جس قدر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے مرہون منت ہے اسی قدر سیدنا فاروق اعظم ؓ کی بھی احسان مند ہے۔

انسانی معاشرہ سب سے پہلے جس بات کا تقاضا کرتا ہے وہ قیام امن، تحفظ جان و مال اور انصاف کا آسان حصول ہے۔ لہٰذا عدالت کا باقاعدہ نظام اور ایسا انتظام کہ جس میں انصاف کا شعبہ انتظامیہ سے بالکل آزاد

حیثیت سے کام کرے۔ اور ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہو کر لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرے۔ سیدنا عمرؓ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا اور ایسے لوگوں کو متعین کیا کہ جن کے ذمے انتظامات ریاست کا کوئی اور منصب نہیں تھا۔ آپؓ نے ججوں کے لئے جو رہنما اصول مقرر فرمائے ان میں سے چند اصول یہ ہیں:

۱:- قاضی کو ایک منصف کی حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤں کرنا چاہئے۔

۲:- ثبوت فراہم کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے۔

۳:- فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ خلافِ قانون معاملات نہ ہوں یعنی اس سے کوئی حرام، حلال اور کوئی حلال، حرام نہ ہونے پائے۔

۴:- پیشی کی ایک تاریخ مقرر کی جائے۔

۵:- معینہ تاریخ پر اگر مدعا علیہ حاضر نہ ہو تو مقدمہ کا یک طرفہ فیصلہ کر دیا جائے گا۔

ان اصولوں کے بعد آپؓ نے جن لوگوں کو قاضی مقرر کیا، ان کے انتخاب میں خداخوفی، کتاب وسنت کا علم، اصابت رائے اور صداقت شعاری کی شہرت عامہ بنیادی اصول کے طور پر کارفرما رہی ہے۔ اس شعبہ کو مزید مستحکم کرنے کے لئے آپؓ نے درج ذیل کام بھی کئے۔

۱:- قاضیوں کی تنخواہیں بیش بہا مقرر کیں۔

۲:- قاضی مقرر کرنے کے لئے معزز اور دولت مند افراد کو اس بنیاد پر اولیت دی کہ رشوت کا سدباب کیا جا سکے۔

۳:- قاضی کے لئے تجارت کرنے اور خرید و فروخت کے معاملات میں حصہ لینے پر مستقل پابندی عائد کی تاکہ انصاف کے تقاضے مجروح نہ ہونے پائیں۔

قاضیوں کی طرح امراء کے انتخاب میں بھی مکمل چھان بین کرتے جس علاقے کا امیر منتخب کرتے اُس کے کردار اور حالات سے مکمل باخبر رہتے ہر امیر سے درج ذیل باتوں کا عہد لیا جاتا تھا۔

۱:- ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔ (اس لئے کہ ترکی گھوڑا اپنے قد و قامت میں بڑا رعب و دبدبہ رکھتا ہے۔)

۲:- چھان ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

۳:- دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔

۴:- اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔

مذکورہ شرائط تقرر نامہ میں درج ہوتی تھیں اور ان کو مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ پھر جب کوئی شخص عامل مقرر کیا جاتا تو اس کے اثاثوں کی مکمل فہرست تیار کی جاتی اور اگر عامل بننے کے بعد کسی کے اثاثوں میں غیر معمولی اضافہ ہوتا تو اس سے جواب طلب کیا جاتا۔ امیر کا اولین کام اسلام کی تبلیغ واشاعت اور لوگوں کو دین کی تعلیم دینا تھا۔ ایک دفعہ آپ ؓ نے فرمایا کہ اے لوگو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں مختلف علاقوں میں جو امراء بھیجتا ہوں وہ اس غرض سے بھیجتا ہوں کہ وہاں کے لوگوں کو دین سکھائیں۔

عوام کی فلاح و بہبود، انسانی حقوق کا تحفظ ،مظلوم کی دادرسی، ٹیکسوں کی وصولی میں انصاف، بیواؤں سے ہمدردی اور حفظ مراتب کا لحاظ جیسے امور میں خصوصی توجہ دی جاتی ایک عورت کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے فوج میں یہ اصول بنایا کہ کوئی لشکر چھ ماہ سے زیادہ حالتِ جنگ میں نہیں رہ سکتا۔

بعض مذہبی معاملات میں بھی سیدنا فاروق اعظم ؓ کی بصیرت نے دوررس فیصلے کئے۔ آپ ؓ کے اجتہادات کی شان یہ ہے کہ وہ قیاس کرتے وقت احکام سابقہ کے ظاہر کو نہ دیکھتے تھے بلکہ ان کی علت، غایت اور چھپی ہوئی حکمت تک پہنچتے تھے تراویح کی نماز میں آپ ؓ نے مسلمانوں کو یکجا کر دیا جو کہ متفرق ٹولیوں کی شکل میں نماز ادا کرتے تھے۔ طلاق ثلاثہ کے بارے میں صحابہ کرام ؓ سے مشورے اور اتفاق سے یہ حکم جاری کر دیا کہ آئندہ جو شخص بھی تین مرتبہ الفاظِ طلاق استعمال کرے گا اسے ہر صورت میں طلاق مغلظ قرار دیا جائے گا۔ اور اس معاملے میں تاکید کا عذر عدالتی سطح پر قابلِ تسلیم نہ ہوگا۔ سیدنا خالد ؓ بن ولید کو فوجوں کی سپہ سالاری سے معزول کر کے لوگوں کے عقیدہ کی اصلاح کی۔ اپنی شہادت سے قبل خلافت کے معاملے میں ایک جامع منصوبہ پیش کیا اور خلافت کو ملوکیت میں تبدیل نہیں ہونے دیا۔

کتب سیر و تاریخ میں آپ ؓ نے ہر شعبہ میں جو نئی باتیں ایجاد کیں مورخین انہیں اولیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان اولیات کی فہرست بہت طویل ہے۔ الغرض سیدنا فاروق اعظم ؓ کی مقدس زندگی کے جس پہلو کو بھی دیکھا جائے وہ اس قدر روشن اور پر از کمالات نظر آتا ہے کہ انسان تعریف کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ؓ کا عہد خلافت امت مسلمہ کے لئے نعمت عظمیٰ سے کم نہیں تھا۔

مقالہ کے نتائج

اس مقالہ میں پیش کئے گئے دلائل و آراء کے نتیجے میں درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱:- سیدنا عمرؓ کے قبول اسلام سے اسلام کو تقویت ملی۔

۲:- آپؓ کی فقہی واجتہادی بصیرت میں آپؓ کے خاندانی پس منظر کا بھی عمل دخل ہے۔

۳:- عہد رسالت ﷺ میں آپؓ کے مشوروں کی تائید میں جن قرآنی آیات کا نزول ہوا اس سے امت کا بھرپور فائدہ ہوا ہے۔

۴:- عہد صدیقیؓ میں جمع و تدوین قرآن کے فاروقی مشورے سے قرآن جیسی عظیم دولت کو جمع کر لیا گیا۔

۵:- قاضیوں اور امراء کے بارے آپؓ کی ہدایات، عوامی فلاح و بہبود کے منصوبے، انصاف کی فراہمی اور بعض مذہبی معاملات میں آپؓ کے فیصلوں سے امت کا بہت فائدہ ہوا۔ اور اقوام عالم میں امت مسلمہ ایک عظیم امت بن گئی۔

۶:- طلاق ثلاثہ کے فاروقی فیصلے سے عورت مرد کے ہاتھوں کھلونا بننے سے محفوظ ہو گئی۔

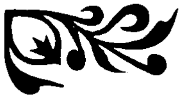
۷:- تراویح کی نماز کی جماعت میں مسلمانوں کو یکجا کر دیا۔

۸:- اپنی شہادت سے قبل اپنے بیٹے کو خلیفہ نہ بنا کر اُمت کو یہ پیغام دیا کہ مشاورت سے جو کام ہو اُس میں خیر ہے۔ اور ملوکیت اُمت کے حق میں درست نہیں۔

۹:- مستقبل میں اُمت مسلمہ کی ابتری، پریشان حالی اور اقوام عالم میں ذلت و رسوائی سے بچنے کا واحد حل یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جائے اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زریں دور کو سامنے رکھ کر کاروبار حکومت چلایا جائے۔ اس طرح عوام خوشحال اور اُمت مسلمہ عظیم اُمت بن سکتی ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و نبینا محمد وآلہ واصحابہ

والحمد للہ رب العلمین




مصادر و مراجع




۱-القرآن الحکیم

۲-آزاد (ابوالکلام، محی الدین، احمد، م ۱۹۵۸ء): انسانیت موت کے دروازے پر، فیصل آباد، طارق اکیڈمی، ۱۹۹۲ء

۳-آلوسی (شہاب الدین سید محمد آلوسی البغدادی، ۱۲۷۰ھ): روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ملتان، مکتبہ امدادیہ، بدون تاریخ۔

۴-احمد بن حنبل (ابوعبداللہ احمد بن حنبل بن ھلال الشیبانی، م ۲۴۱ھ): مسند، بیروت، المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ

۵-ادریس کاندھلوی، مولانا م: خلافت راشدہ، مرتب: ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، لاہور، ادارہ اشرف التحقیق، ۱۹۹۲ء

۶-اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، دانش گاہ، پنجاب، ۱۹۷۸ء

۷-البانی (ناصر الدین-م ۲۰۰۱ء): نماز تراویح،

۸-امام خاں (مولانا ابو یحییٰ نوشہروی-م ۱۹۶۶ء): حضرت عمرؓ کے سیاسی نظریے، لاہور، مکتبہ نذیریہ، ۱۹۷۹ء

۹-بخاری (ابوعبداللہ محمد بن ابی الحسن اسمٰعیل بن ابراھیم البخاری-م ۲۵۶ھ): الجامع الصحیح، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۳۸۱ھ

۱۰-بلاذری (ابوالحسن احمد بن یحییٰ بن جابر بن داوٗد، م ۲۷۹ھ): فتوح البلدان، بیروت، دار النشر للجامعین، ۱۹۵۷ء

۱۱-البیھقی (ابوبکر احمد بن الحسن ابن علی، حافظ، م ۴۵۸ھ): السنن الکبریٰ، لاہور، ادارہ تالیفات اشرفیہ، بدون تاریخ

۱۲-پرویز (غلام احمد، م): شاہکار رسالت، لاہور، ادارہ طلوع اسلام، ۱۹۸۱ء

۱۳-ترمذی (ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، م ۲۸۹ھ): الجامع الصحیح، بیروت، دار الکتاب العربی، بدون تاریخ

۱۴-تقی امینی: فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۱۵-تقی عثمانی: علوم القران، کراچی، مکتبہ دار العلوم، ۱۹۹۹ء

۱۶-تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر: فقہ اسلامی کا تاریخی ارتقاء، راولپنڈی، مطبوعات حرمت، ۱۹۸۲ء

۱۷-وہی مصنف: مجموعہ قوانین اسلام، راولپنڈی، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۶۷ء

۱۸-جاحظ (ابوعثمان عامر بن بحر الجاحظ، م ۲۵۵ھ): کتاب البیان والتبین، قاہرہ، موسسۃ الخانجی، ۱۳۶۷ھ

۱۹-جرجانی (ابو احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی، حافظ، م ۳۶۵ھ) الکامل فی ضعفاء الرجال، بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۴ھ

۲۰-ابن جریر (ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، م ۳۱۰ھ): جامع البیان عن تاویل آی القرآن، مصر، مکتبہ المصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، ۱۹۵۴ء

۲۱-الجزیری (عبدالرحمٰن): کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، لاہور، شعبہ مطبوعات، محکمہ اوقاف، ۱۹۷۷ء

۲۲-الجصاص (احمد بن علی ابوبکر الرازی، م ۳۷۰ھ): احکام القرآن، مصر، المکتبۃ البہیۃ، ۱۳۴۷ھ

۲۳-ابن جوزی (جمال الدین ابو الفرج بن جوزی، م ۵۹۷ھ): سیدنا عمر ابن الخطابؓ، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۳ء

۲۴-حامد علی شاہ، ڈاکٹر: فراست فاروق اعظمؓ--فکر جدید کے تناظر میں، کراچی، مکتبہ سویٹ ہوم لینڈ، بدون تاریخ

۲۵-ابن حجر (احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی العسقلانی، م ۸۵۲ھ): کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہؓ، مصر، المطبعۃ العلمیہ، ۱۳۲۳ھ

۲۶-وہی مصنف: فتح الباری بشرح صحیح الامام ابی عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری: قاہرہ، المطبعۃ السّلفیہ، ۱۳۸۰ھ

۲۷-ابن حزم (ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم، م ۴۵۶ھ): المحلی، مصر، ادارہ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۷ھ

۲۸-حمید اللہ، ڈاکٹر، م ۲۰۰۲ء: سیاسی وثیقہ جات از عہد نبوی تا بہ خلافت راشدہ، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۰ء

۲۹-خازن (علاء الدین علی بن محمد البغدادی، م ۷۴۱ھ): تفسیر القرآن الجلیل المسمیٰ لباب التاویل فی معانی

التنزیل، بیروت، دارالمعرفہ، بدون تاریخ

۳۰-خالد محمود، خلفاء راشدین، لاہور، دارالمعارف، ۱۹۸۸ء

۳۱-ابوداؤد (سلیمان بن الاشعث السجستانی، م۲۷۳ھ): السنن، کراچی، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۹۶۷ء

۳۲-دارقطنی (ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی الشافعی، م۳۷۵ھ): سنن، قاہرہ، مطبعۃ دارالمحاسن، بدون تاریخ

۳۳-الدارمی (ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن ہیرام الدارمی، م۲۵۵ھ): سنن، بیروت، دار الاحیاء السنّت النبویہ، بدون تاریخ

۳۴-ذھبی (شمس الدین بن محمد الذھبی، م۷۴۸ھ): سیر العلام النبلاء، بیروت، موسستہ الرسالۃ، بدون تاریخ

۳۵-ابن رشد (ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن ارشد، م۵۹۵ھ): بدایۃ المجتہد ونھایۃ المقتصد، بیروت، دارالفکر، ۱۹۸۵ء

۳۶-رواس قلعہ جی: فقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، لاہور، ادارہ معارف اسلامی، ۲۰۰۲ء

۳۷-زرقانی (محمد بن عبدالباقی، م۱۱۲۲ھ): شرح الزرقانی علی موطا الامام مالکؒ، مصر، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، ۱۳۷۹ھ

۳۸-زرکشی (بدرالدین محمد بن عبداللہ اندرکشی، امام، م۷۹۴ھ): البرھان فی علوم القرآن، مصر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۶ھ

۳۹-زکریا، مولانا، م : فضائل اعمال، لاہور، کتب خانہ فیضی، بدون تاریخ

۴۰-الزیلعی (جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف، م۷۶۲ھ): نصب الرایۃ لاحادیث الھدایہ مصر، من مطبوعات المجلس العلمی الھندی، ۱۳۹۳ھ، مجلس علمی، ۱۳۵۷ھ

۴۱-سرخسی (محمد بن احمد بن ابوبکر سرخسی، م۵۰۰ھ): المبسوط، مصر مطبع السعادۃ، ۱۳۲۴ھ

۴۲-ابن سعد (ابوعبداللہ محمد بن سعد البصری، م۲۳۰ھ): الطبقات الکبریٰ، بیروت، دارصادر للطباعۃ و النشر، ۱۳۷۶ھ

۴۳-سعید احمد اکبر آبادی، م :سیدنا صدیق اکبرؓ، لاھور، کتب خانہ انجمن حمایت اسلام، ۱۹۸۰ء

۴۴-سلیمان منصور پوری (قاضی سید محمد سلیمان منصور پوری،): تین طلاقوں کا مسلئہ دلائل شرعیہ کی روشنی میں، دھلی، جمعیۃ علماء ھند، ۱۹۹۹ء

۴۵-سیوطی (عبد الرحمٰن بن ابی بکر کمال الدین بن محمد جلال الدین، م ۹۱۱ھ): الاتقان فی علوم القرآن، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۲ء

۴۶-وہی مصنف: تاریخ الخلفاء، کراچی، مدینہ پبلی کیشنز کمپنی، ۱۹۸۷ء

۴۷-شاطبی (ابو اسحٰق ابراھیم بن موسی الغرناطی المالکی، م ۷۹۰ھ): الموافقات فی اصول الشریعہ، بیروت، دار المعرفہ، بدون تاریخ

۴۸-شاہ ولی اللہ (ابوعبداللہ احمد شاہ ولی اللہ بن ابراھیم الدھلوی، م ۱۱۷۶ھ) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، کراچی ،قدیمی کتب خانہ، بدون تاریخ

۴۹-وھی مصنف: فقہ عمر، لاھور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۶ء

۵۰-شبلی نعمانی، م ۱۹۱۴ء: الفاروق، لاھور، حذیفہ اکیڈمی، بدون تاریخ

۵۱-الشوکانی (محمد بن علی الشوکانی، م ۱۲۵۵ھ) نیل الاوطار، مصر، مطبعۃ الجمالیہ، ۱۳۵۷ھ

۵۲-ابن ابی شیبہ (عبداللہ بن محمد الکوفی، حافظ، م ۲۳۵ھ): المصنف فی الاحادیث والآثار، لاہور، طیب اکیڈمی بدون تاریخ

۵۳-صبحی صالح، ڈاکٹر: علوم القرآن، مترجم: غلام احمد حریری، فیصل آباد، ملک سنز، ۱۹۸۴ء

۵۴-طبری (ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، م ۳۱۰ھ): تاریخ الامم والملوک، بیروت، دار القاموس الحدیث، بدون تاریخ

۵۵-طنطاوی (بن جوہری المصری، شیخ، م ۱۸۷۰ء، عمر بن خطاب، لاہور، البیان، ۱۹۷۱ء

۵۶-طہ حسین، ڈاکٹر، م :حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ، مترجم: شاہ حسن عطا، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۷۹ء

۵۷-عبدالرزاق (عبدالرزاق بن ھمام الصنعانی، حافظ، م ۲۱۱ھ): المصنف، کراچی، ادارۃ القرآن و العلوم، ۱۹۹۶ء

۵۸-ابن عبدالبر (ابوعمر احمد بن محمد بن عبدالبر الاندلسی، م ۳۲۸ھ): الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، حیدرآباد دکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف، ۱۳۳۶ھ

۵۹-وھی مصنف: العقد الفرید، بیروت، دار الکتاب العربیہ، ۱۳۷۴ھ

۶۰-ابن عساکر (علی بن الحسن الشافعی، م ۵۷۱ھ): تاریخ دمشق الکبیر، بیروت، دار المسیر ۃ، ۱۳۹۹ھ

۶۱-ابوعبید قاسم بن سلام، م ۳۲۴ھ: الاموال، بیروت، مطبعۃ دار الشروق، ۱۳۸۸ھ

۶۲-المتقی (علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الھندی، م ۹۷۵ھ): کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال، بیروت، موسسۃ الرسالۃ، ۱۳۹۹ھ

۶۳-العینی (بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی، م ۸۵۵ھ): عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، بیروت، ادارۃ الطبعۃ المنیر یہ، بدون تاریخ

۶۴-فارق، خورشید احمد، ڈاکٹر: حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۷۹ء

۶۵-ابن قدامہ (عبداللہ ابومحمد بن احمد بن محمود بن قدامہ، م ۶۳۰ھ): المغنی، مصر، المطبعۃ المنار، ۱۳۴۸ھ

۶۶-القرطبی (ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر، م ۶۷۱ھ): الجامع لآحکام القرآن، قاہرہ، مطبعۃ دار الکتب المصر یہ، ۱۹۵۴ء

۶۷-الکاسانی (ابوبکر بن مسعود الکاسانی، م ۵۸۷ھ): بدایہ الصنائع، مصر، مطبعۃ الجمالیہ، ۱۳۲۸ھ

۶۸-ابن کثیر (عماد الدین ابی الفداء اسمٰعیل بن کثیر القرشی الدمشقی، حافظ، م ۷۷۴ھ): تفسیر القرآن العظیم، بیروت، دار الخیر، ۱۹۹۰ء

۶۹-مالک (ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر المدنی، م ۱۷۹ھ): موطا، کراچی، نور محمد اصح المطابع، بدون تاریخ

۷۰-المرغینانی (ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل، م ۵۹۳ھ): الھدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی، دہلی، المطبع

المجتبائی، ۱۹۱۴ء

۷۱-مسلم (ابوالحسین مسلم بن حجاج بن مسلم، م۲۶۱ھ): الجامع الصحیح، کراچی، اصح المطابع، ۱۹۵۶ء

۷۲-مودودی (ابوالاعلیٰ مودودی، سید، مولانا، م۱۹۷۹ء): تفہیم القرآن، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۹۴ء

۷۳-وھی مصنف: خلافت ملوکیت، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۹۸ء

۷۳-a وھی مصنف: رسائل ومسائل، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، ۱۹۹۸ء

۷۴-نافع، مولانا: رحماء بینھم، لاہور، ذیشان بک پیلس، ۱۹۹۳ء

۷۵-ندوی (شاہ معین الدین احمد ندوی): تاریخ الاسلام، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، بدون تاریخ

۷۶-نسائی (ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب، حافظ، م۳۰۳ھ): السنن، لاہور، المکتبۃ السلفیہ، ۱۹۷۶ء

۷۷-نووی (ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی، م۶۷۶ھ): شرح صحیح مسلم، کراچی، اصح المطابع، ۱۳۷۵ھ

۷۸-الوکیع (محمد بن خلف بن حیان، م۳۰۶ھ): اخبار القضاۃ، بیروت، عالم الکتب، بدون تاریخ

۷۹-ابن ہشام (ابومحمد عبدالملک بن ھشام بن ایوب الحمیدی، م۲۱۳ھ): السیرۃ النبویۃ، مصر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۵ھ

۸۰-ابن الھمام (محمد بن عبدالواحد، م۸۶۱ھ): شرح فتح القدیر، مصر، مطبع الکبریٰ الامیریہ، ۱۳۵۶ھ

۸۱-الھیثمی (نورالدین علی بن ابی بکر الھیثمی، م۸۰۷ھ): مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، مصر، مکتبہ القدسی، ۱۳۰۲ھ

۸۲-وھی مصنف: موارد الظمان الی زوائد ابن حبان، مکہ مکرمہ، مطبعۃ السلفیہ، بدون تاریخ

۸۳-ھیکل (محمد حسین، م   ): حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، مترجم: محمد مسعود عبدہ، لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، بدون تاریخ

۸۴-ابویوسف (قاضی ابی یوسف یعقوب بن ابراھیم، م۱۸۲ھ): کتاب الخراج، بیروت، دارالمعرفۃ، ۱۳۹۹ھ

۸۵-یوسف کاندھلوی (   ): حیاۃ الصحابہؓ، لاہور، کتب خانہ فیضی، بدون تاریخ
(مولانا محمد یوسف م   )

اخبارات وجرائد

۱-الفاروق، ماہنامہ، کراچی، جامعہ فاروقیہ۔

۲-انصاف، روزنامہ، لاہور

۳-اوصاف، روزنامہ، اسلام آباد

۴-اہل حدیث ہفت روزہ، لاہور، جمیعت اہل حدیث پاکستان

۵-پاکستان، روزنامہ، لاہور

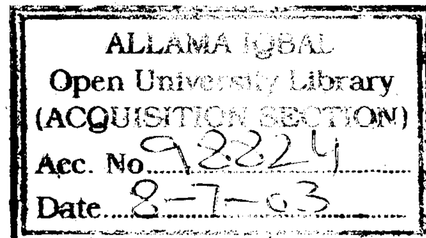
۶-جنگ، روزنامہ، لاہور، جنگ پبلی کیشنز

۷-خطیب، ماہنامہ، لاہور

۸-ضیائے حرم، ماہنامہ، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

۹-نقوش، ماہنامہ، لاہور، ادارہ فروغ اردو

۱۰-نوائے وقت، روزنامہ، لاہور، نوائے وقت لمیٹڈ



TITLE OF THESIS
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فقہی و اجتہادی بصیرت

MAJOR DEPARTMENT کلیہ عربی و علوم اسلامیہ

MINOR DEPARTMENT شعبہ اسلامک اسٹڈیز

NAME Muhammad Ramzan

PLACE AND DATE OF BIRTH FAISALABAD – 01-04-1967

COLLEGE AND UNIVERSITIES WITH YEARS ATTENDED AND DEGREE OBTAINED

1. F.A, 1986, M.D. College FSD, 587/1100
2. B.A, 1990, 〃 〃 〃 Punjab University 465/800
3. M.A, 1992, Govt. College FSD 〃 〃 463/1000
4. B.Ed, 1993, Govt college of Education FSD, 685/1100

MEMBERSHIPS IN LEARNED OR HONORARY SOCIETIES

کالج کی ادبی سوسائٹی میں بطور سیکرٹری خدمات انجام دیں

PUBLICATIONS

۱۔ مولانا ظفر علی خان کی نثری شاعری، "الاستاذ" گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن فیصل آباد
۲۔ مختلف تحقیقی مضامین اسلامی موضوعات پر تحریر کیے گئے۔

DATE 13-04-2003